اسلامی اقدار کا نقیب

ہفت روزہ

ترجمان اسلام

لاہور

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا مفتی محمود

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

صاحب خُلق عظیم و مظہر جود عمیم
آیت رحمت کہ شانِ او رؤف است و رحیم
رحمۃ اللعالمین خواندش خداوند کریم
خَلق و خُلق و قول و فعل و دیدی سمت او حمید

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

یکم فروری تا ۷ فروری ۸۰ء | شمارہ ۵ | قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

فغان

شور پیدا در درون جان ما   دیده گریان، روح بریان شان ما
این چه شد؟ بر ماؤ تو جانان ما   شور محشر هست بر افغان ما

اے خدائے ماؤ ذی شانان ما!
رحم کن! برحالِ افغانان ما!

فوجِ روسی داخلِ آن بوم شد   از "بم" آن رو نقش معدوم شد
قوتِ دشمن در آن منظوم شد   قومِ افغان، اے خدا! مظلوم شد

خون چکید از اہل ایمان ما!
رحم کن! برحالِ افغانان ما!

روس را دانی که عکسش شور هست   خنجرش در ماؤ خود مسرور هست
در وجودِ خلق کان مجبور هست   فاش می گویم که او ناسور هست

مضطرب شد اہل پاکستان ما!
رحم کن! برحالِ افغانان ما!

صرصرِ جور و ستم چون در وزید   در قہستان شد خرابی در مزید
مرقد محمود از غیرت تپید   روح بابر در تعجب، کین چه دید؟

آمدند در جوش غیوران ما!
رحم کن! برحالِ افغانان ما!

مادران و خواہران دختران   می کشند از ناله صد آه و فغان
تو مارا نیست اے شاہ شہان   عرض هم دارد ندیم خسته جان

المدد ثم المدد هر آن ما!
رحم کن! برحالِ افغانان ما!

ندیم میلسوے چشتیاں

هفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۵

جمعتہ المبارک

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط و کتابت : ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور

بیرونی خطرے کا مقابلہ

آل پاکستان سوشل ورکرز کانفرنس کے آخری اجلاس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ایس انوار الحق نے عوام پر زور دیا ہے کہ وہ بیرونی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اندر مکمل اتحاد پیدا کریں۔ انہوں نے عوام سے زور دے کر کہا کہ وہ دفاعی کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے کے علاوہ لوگوں کو اتحاد کی اہمیت سے آگاہ کریں۔

اس وقت ہمارے ملک کی سرحدوں پر جس قسم کے خطرات منڈلا رہے ہیں ان کا سب سے اہم سب سے بڑا اور سب سے ضروری تقاضا یہی ہے کہ عوام اپنے ملک کے دفاع اور سالمیت کی خاطر اپنے ہر نوعیت کے اختلافات کو فراموش کرتے ہوئے متحد اور یکجان ہو جائیں۔ محترم چیف جسٹس نے آنے والے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہیں۔ اگر قوم کے ارباب بست و کشاد، قومی رہنماؤں اور مختلف مکتب فکر کے علماء حضرات نے اس خطرے کی طرف مکمل توجہ صرف نہ کی تو آنے والے تباہ کن حالات کا مقابلہ کسی کے بس کا روگ نہیں رہے گا۔

ہماری قومی اور ملی تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے جب بھی حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اتحاد کا مظاہرہ کیا کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوئے۔ اس کے برعکس آج جو ہماری حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ارباب اقتدار، قومی رہنما اور مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اپنی اپنی راہوں پر چل رہے ہیں اور مگن و مست ہیں جبکہ موجودہ خطرے کا مقابلہ تنہا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے پوری قوم کو ایک فکر اور ایک ہی مقصد کو سامنے رکھ کر چلنا ہوگا اور اس وقت سب سے بڑا فکر اور مقصد وطن کی سالمیت کو درپیش خطرے کا مقابلہ اور سدباب ہے۔ یہ ایک ایسا نکتہ اتحاد ہے جس سے کسی بھی محب وطن اور اسلام دوست کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

مگر اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے "اتحاد اتحاد" کی دعوت دینے سے یہ مقصد عظیم حاصل نہیں ہوگا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عملی طور پر کچھ کرنا ہوگا۔ پرانے اختلافات بھلانے ہوں گے۔ فروعی مسائل کو خیرباد کہنا ہوگا اور ذاتی مفادات کی تنگنائے سے نکلنا ہوگا۔ اس کے بغیر یہ عظیم مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک عوام کو اتحاد کی مضبوط بنیادیں مہیا کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے کیونکہ علماء ہی ایک ایسا طبقہ اور ایک ایسی مؤثر قوت ہیں جن کا براہ راست تعلق ہر دور میں عوام سے رہا ہے۔ علماء کا عوام کے بغیر گذارہ نہیں اور عوام کا علماء کے بغیر گزر نہیں۔ افسوس اور دکھ کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ علماء کے ایک گروہ نے اپنی تمام تر تگ و تاز کا میدان ہی فروعی اختلاف کے نزاع کو بنا لیا ہے۔ ربیع الاول کے اس مقدس مہینے میں میلاد اور سیرت کے نام سے جو جلسے اور اجتماعات ہو رہے ہیں ان میں عموماً رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ بیان کرنے کی بجائے اور عوام کو اپنی زندگیاں اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق استوار کرنے کی تلقین کرنے کے برعکس دوسرے مکاتبِ فکر کے علماء و اکابر پر سب و شتم اور دشنام و الزام کو ہی موضوعِ سخن بنایا ہوا ہے۔

باقی صفحہ ۲۷ پر

جمہوری پریس پبلشر مولانا عبیداللہ انور، شیرانوالہ گیٹ لاہور - ۸

ابو عمار زاہد الراشدی

آہ! حاجی محمد ابراہیمؒ پراچہ اور حاجی شیر افضل خانؒ

گذشتہ ہفتہ کے دوران کوہاٹ کے حاجی محمد ابراہیم پراچہ اور نوشہرہ ضلع پشاور کے حاجی شیر افضل خان کی یکے بعد دیگرے وفات کی خبر جماعتی حلقوں کے لئے بیحد رنج والم کا باعث بنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان دونوں حضرات کا تعلق اس قافلۂ عزم و عمل سے تھا جس نے ہمیشہ ایثار و قربانی اور جرأت و جسارت کی پُرخار راہوں کو اپنے لئے منتخب کیا اور پھر حوصلہ و استقامت کے ساتھ مرتے دم تک اپنے اس انتخاب کی لاج رکھی۔

حاجی شیر افضل خان سے زیادہ راہ و رسم نہیں رہی۔ صرف ایک بار قائد محترم حضرۃ مولانا مفتی محمود صاحب کی معیت میں ان کے ہاں نوشہرہ جانے اور ملاقات و گفتگو کی ایک مجلس میں شریک ہونے کا موقع ملا لیکن اہل حق کے ساتھ انکی والہانہ وابستگی، حق اور اہل حق کی خاطر سب کچھ لٹا دینے کا عزم و حوصلہ خصوصاً دارالعلوم حقانیہ جیسے عظیم علمی و روحانی مرکز کے لئے انکی خدمات اور محنت اور ایثار و قربانی کے محاذ پر انکی حسین روایات نگاہوں کے سامنے ہیں اور مرحوم کی وفات کی خبر سُن کر یوں لگتا ہے جیسے قربانی اور وضعداری کا ایک دَور لد گیا ہے۔ آج کے دَور میں جبکہ ایثار، قربانی اور وضعداری دن بدن کتابوں کے اوراق میں سمٹتی جارہی ہے حاجی شیر افضل خان مرحوم کی وفات ایک فکری اور دینی تحریک کے لئے بیان کے دائرے میں نہ آنے والا صدمہ ہے۔

حاجی محمد ابراہیم پراچہ مرحوم سے متعدد بار ملنے، مجلس اور تنہائی میں گفتگو، مشاورت اور ملکی و تحریکی معاملات میں تفصیلی تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ مرحوم بلاشبہ تحریک ولی اللٰہی کے ایک باشعور اور حوصلہ مند راہنما تھے اور ان میں اکابر کے ساتھ جذباتی عقیدت، تحریک کے مثبت و منفی پہلوؤں پر گہری نظر اور سرد و گرم حالات کا یکساں طور پر سامنا کرنے کے حوصلہ جیسی بہت کم جمع ہونے والی خصوصیات کا حسین امتزاج تھا۔ ان خصوصیات کا ایسا امتزاج جس میں توازن بھی ہو اور اکتاہٹ سے بے نیاز تازگی بھی بہت کم خوش بختوں کے حصہ میں آتا ہے اور حاجی محمد ابراہیم پراچہ مرحوم بھی انہی خوش نصیبوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ حاجی صاحبؒ نے تقسیم ملک سے قبل تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور ان اکابر کے سایے میں کام کرنے کا شرف حاصل کیا جنہیں اکابر کہنے کو فی الواقع جی چاہتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اسلامی نظام کی تحریک، تحریک ختم نبوت اور دیگر دینی و ملی تحریکات میں حاجی صاحب مرحوم بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔ کوہاٹ میں انجمن تعلیم القرآن اور مدرسہ تعلیم القرآن کی تشکیل، ترقی اور استحکام میں بھی مرحوم کی خدمات اور محنت ناقابل فراموش ہے اور وہ سماجی خدمات اس کے علاوہ ہیں جو انہوں نے کوہاٹ کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے سرانجام دیں۔

مرحوم کی سب سے بڑی خوبی ان کی بے یقینی اور تزلزل سے پاک سوچ اور غور و فکر کی خداداد صلاحیت تھی جو آج کے دور میں قصۂ ماضی بنتی جارہی ہے اور اس نقطۂ نظر سے سوچا جائے کہ جمود اور تزلزل کے شکار ذہنوں کے ہجوم میں حرکت اور اعتماد سے بہرہ ور گنے چنے ذہن بھی اپنے ایک ساتھی سے محروم ہو گئے ہیں تو حاجی محمد ابراہیم پراچہ مرحوم کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا مزید ہولناک وسعتوں سے دوچار نظر آتا ہے۔

حاجی صاحب مرحوم کے فرزندوں میں جاوید پراچہ ہمارے دوست ہیں ساتھی ہیں اور جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے صدر ہیں۔ مرحوم نے اپنی اولاد میں سے جاوید پراچہ کی جس طرح تربیت کی اور دینی و ملی تحریکات میں انہیں آگے بڑھایا اس سے مرحوم کے عزائم اور خواہشات کا پتہ چلتا ہے۔ جاوید ذہین ہیں باصلاحیت ہیں اور متحرک بھی، ہماری دلی آرزو ہے کہ حاجی محمد ابراہیم پراچہ مرحوم کی روشن کی ہوئی شمع جاوید اور انکے بھائیوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ روشن رہے کہ مرحوم کا اصل ورثہ اور ترکہ یہی ہے۔

بہرحال حاجی شیر افضل خان مرحوم اور حاجی محمد ابراہیم پراچہ مرحوم اب اس سفر پر روانہ ہو گئے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا اور جہاں ہر ایک نے جانا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ساتھ بھی کچھ لے کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگذر کرتے ہوئے حق اور اہل حق کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی کو قبول فرما کر انہیں جنت الفردوس میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبر و حوصلہ کے ساتھ اس صدمہ کا سامنا کرنے اور مرحومین کی خوبیوں اور نیکیوں کی صدق دل سے پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین یا الہ العالمین)

افغان مجاہدین ملّت اسلامیہ کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

روس کو افغانستان کی پہاڑیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

مسجد شہداء لاہور میں جہاد کانفرنس سے مولانا مفتی محمود کا خطاب

خطبۂ مسنونہ کے بعد آپ نے فرمایا

میرے محترم دوستو! بھائیو! اور بزرگو!

آج میں آپ کی خدمت میں فلسفۂ ہجرت ورا اسلامی اخوت کے موضوع پر کچھ گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے آقا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن پر مؤمن کا حق ہے کہ اگر ایک مؤمن پر زیادتی ہو رہی ہو تو دوسرے مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ مر گیا ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کرے اور نماز جنازہ میں شرکت کرے!

میرے محترم دوستو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مسلمان جب ایک جسد واحد کی حیثیت رکھتے ہیں تو ہاتھ پر زخم ہوگا تو دماغ بھی سوچے گا۔ پاؤں بھی مدد کریں گے۔ آنکھ بھی کام کرے گی۔ الغرض تمام اعضاء بدن اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔

میرے دوستو! ہمارے افغانی بھائی جو ان دنوں روسی جارحیت کا شکار ہیں اور موت و حیات کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ ملت اسلامیہ کے جسم کا حصہ ہیں۔ ملت اسلامیہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہی جسم کے ایک حصے کو زخموں سے بچانے کے لئے حرکت میں آئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ زخم بڑھتے بڑھتے پوری ملت اسلامیہ کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

میرے دوستو! مکہ مکرمہ میں زمانۂ نبوت میں جو لوگ محبوس تھے قرآن کریم میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔ ان میں بچے، بوڑھے، اور عورتیں شامل تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے ان محبوس و مجبور ساتھیوں کو کفار کے ظلم و ستم سے نجات دلائی۔ اسلام کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان مظالم اور مصائب کا شکار ہوتے ہیں اور دشمن سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں ہجرت کر جانا چاہیئے۔ اور جو ہجرت کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ ہوں تو دوسرے مسلمانوں کو ہر دو گروہ کی مدد کرنا چاہیئے۔ نکلنے والوں کی بھی اور رہنے والوں کی بھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے نکلے۔ جہاں خدا' رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے نکل جانا چاہیئے اور اگر مقابلے کی طاقت ہو تو مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہجرت کی نیت سے وطن سے نکلا اور راستے میں اسے موت آگئی تو خدا اسے ضرور اجر دے گا۔

میرے دوستو! ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب مشرکین مکہ نے مسجد حرام تک میں خدا کی عبادت کرنا مشکل کر دیا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط کی سرکردگی میں چھ آدمی اونٹ کی اوجھڑی لیکر آئے اور سجدے کی حالت میں آپ علیہ السلام کی گردن مبارک پر رکھدی۔ آپ علیہ السلام اٹھ نہ سکے۔ حضرت فاطمہ رضؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے اس گندگی کو صاف کیا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مشرکین نے آپ علیہ السلام کی گردن میں چادر ڈال کر گلا گھونٹا۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے ان بدبختوں کو روکا اور کہا کہ کیا اس شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

محترم دوستو! یہی موقع ہے جب اللہ نے اپنے پیارے پیغمبر کو ہجرت کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لئے نکلے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے۔ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا مگر خدا نے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے فرمایا کہ وہ دو میں کا دوسرا جب کہ وہ کہہ رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ جس کے ساتھ ہو اسے غم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

محترم دوستو! یہاں میں ایک اور مسئلہ کا بھی ذکر کرتا چلوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سامنے جب خلافت کا مسئلہ آیا اور لوگ اس مقصد کے لئے جمع ہوئے تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارے میں سے اور ایک تمہارے میں سے ہونا چاہیئے۔ اس موقع پر میں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دیتا تا ہوں کہ اگر دو امیر بیک وقت بنائے جائیں تو ایک کو قتل کر دو۔ کیونکہ دو امیروں کی موجودگی میں فتنہ برپا ہوگا۔ الغرض حضرت عمر رضؓ

نے صدیق اکبرؓ کا نام پیش کیا۔ اس سے قبل صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ کا نام پیش کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے اپنی گردن کٹنا پسند ہے اس سے کہ میں حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں امیر بنوں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں بطور دلیل تین باتیں پیش کیں:

اولاً یہ کہ قرآن نے آپ کو دو میں کا دوسرا کہا ہے۔

ثانیاً یہ کہ قرآن نے صرف آپ کو ہی صاحب اور ساتھی کے لقب سے نوازا ہے۔

ثالثاً یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اور کسی کے حق میں آپؓ کے علاوہ قرآن سے ایسی فضیلتیں ثابت نہیں، لہذا آپؓ ہی خلافت کے حقدار ہیں۔

بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب مہاجرین خدا کے دین کی خاطر مدینہ آئے اور انصار نے ان کا خیر مقدم کیا۔ انصار کو اسی لئے انصار کہا گیا کہ انہوں نے مہاجرین کی نصرت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں اخوت قائم کی تو انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنی زمینوں اور مال میں حصہ دار بنائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ تجویز مسترد فرمادی۔ حضرت سعد بن ربیع حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ میرے بھائی ہیں اور مجرد ہیں۔ میری دو بیویاں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں ایک کو طلاق دیدوں اور وہ اس سے شادی کرلیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کی یہ تجویز قبول نہیں فرمائی۔ صحابہؓ کی سیرت میں ہم ایسے حیرت انگیز واقعات پڑھتے ہیں جن کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

میرے دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ہم احتجاج کرتے ہیں۔ قبرص۔ اریٹریا۔ فلسطین اور کشمیر کے مسلمانوں کے لئے ہم احتجاج کرتے ہیں تو ہم کیوں افغانستان کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر احتجاج نہ کریں۔ آپ سرحد و بلوچستان میں جا کر دیکھیں چار لاکھ افراد پناہ گزین کی حیثیت سے پڑے ہیں۔ آپ نے سوچا یہ کیوں آئے؟ کوئی بھی فرد بلا ضرورت اپنے گھر کو نہیں چھوڑتا۔ ان لوگوں کے پاس نہ سر چھپانے کی جگہ ہے، تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا ہے اور نہ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں۔ بعض لوگ کہتے ہیں افغانستان نے ہمیشہ ہماری مخالفت کی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ افغانی عوام نے آپ کی کبھی مخالفت نہیں کی حکمرانوں کی غلطیاں عوام کے کھاتے میں نہیں ڈالی جا سکتیں۔ ایوب خان کے زمانے میں روس نے ظاہر شاہ سے کہا تھا کہ تم پاکستان پر حملہ کردو مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے کہ عوام آپ کے ساتھ تھے۔ اگر کڑے وقت میں افغان عوام ہمارے ساتھ تھے تو ہم ان کا ساتھ کیوں نہ دیں۔

محترم دوستو! ظاہر شاہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اپنے فوجی افسروں اور جوانوں کو اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے روس بھیجا جن کی وجہ سے ان میں کمیونزم کے جراثیم پھیلے جس کا خمیازہ ظاہر شاہ کو بھگتنا پڑا اور اب پوری قوم بھگت رہی ہے پاکستان میں بھی یہ جراثیم پھیل رہے ہیں، گو فوج کے جوان متاثر نہیں ہیں مگر کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں یہ جراثیم پھیل رہے ہیں۔ سب سے زیادہ گڑبڑ بلوچستان یونیورسٹی میں ہے۔ اسکا سدباب ہونا چاہیئے۔

آپ جانتے ہیں کہ روس نے ظاہر شاہ کو داؤد کے ذریعہ تخت و تاج سے بے دخل کیا۔ جب داؤد نے پاکستان کا دورہ کیا تو اس نے اسلامی تقریریں کیں۔ دوسرے ممالک میں بھی اس نے اسلام کے حق میں تقریریں کیں۔ اسے مروادیا اور ترکئی حکومت میں آگیا۔ جب وہ بھی ان کے مقاصد پر پورا نہ اترا تو اسے بھی ختم کیا اور اس کی جگہ حفیظ اللہ امین کو لے آیا گیا۔ اب اسے بھی ختم کر دیا اور ببرک کرمل کی حکومت کا اعلان ہو رہا ہے۔ ہزاروں مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے جیلوں میں ڈال دیے گئے۔ بلوچستان کے علمی اور روحانی خاندان حضرت نورالمشائخ کے گھر پر حملہ کیا اور انکے حرم سرا میں ٹینک داخل کر دیے گئے عورتوں اور بچوں کو مارا کتابوں کو جلا دیا۔ انہیں گرفتار کرلیا گیا اور اب تو ان سمیت پچاس افراد خاندان کے قتل کی خبریں بھی آرہی ہیں۔ یہ صرف افغان مسلمانوں کی جرأت و بہادری ہے جو اکیلا بہت بڑی طاقت کے ساتھ جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور اس میں بھی اب کوئی شک نہیں رہا کہ یہ اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ ہمارے دفاع کی جنگ بھی لڑ رہے ہیں۔

محترم دوستو!

روس کو افغانستان کی پہاڑیوں اور دروں کی بنجر زمین سے کوئی دلچسپی نہیں — وہ افغانستان کے راستے گرم پانیوں تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اسے تیل کے چشموں سے سروکار ہے۔ وہ پاکستان۔ ایران اور مشرق وسطیٰ میں یہی کچھ کرنا چاہتا ہے جو افغانستان میں کر رہا ہے۔ آپ افغان مجاہدین اور مہاجرین کی امداد کو خیرات نہ سمجھئے اور ان پر احسان نہ جتایئے۔ یہ آپ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ ملت اسلامیہ کے بقا کی جنگ میں اپنے آپ کو اس عالم میں جھونک رہے ہیں

۔ ہمیں اپنے ملک کے دفاع کے لئے پوری قوم میں جہاد کی روح پھونکنا چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

انسانیت کا آخری نجات دہندہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہم اپنے اس مختصر سے مضمون کے ذریعہ سید ولد آدم قائد اسود و الاحمر رہبر عرب و عجم شافع روز محشر خاتم النبیین سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت برائے حصول برکت احباب کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنا چاہتے ہیں ورنہ حقیقتاً حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی ورفعنا لک ذکرک کے مبارک جملہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ موضوع کوئی سہل اور آسان موضوع نہیں کہ میرے ایسے طالب علم یا بڑے سے بڑے علمائے دین بھی رسالت نبوی کا کم از کم خلاصہ ہی بیان کر سکیں ؎

لا یمکن ثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

رسالت کی ہزاروں سے متجاوز عجیب و غریب شاخیں ہیں جن کے کمالات کو رب غفور ہی جانتا ہے اس لئے کہ نبی کی شان اقدس رب غفور الرحیم کی علو شان کے تابع ہوا کرتی ہے اور حضرت امام المتکلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العٰلمین کے اوصاف بڑی کثرت سے بیان کرنے کے بعد آخر میں اپنے عجز کا اظہار ان الفاظ فرمایا ہے:

اللھم لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک۔ اے میرے پروردگار میں تیری ثناء بیان کرنے کا ہرگز ہی احاطہ نہیں کر سکتا۔ بس تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثناء خود بیان فرمائی ہے۔

جس طرح اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی ثنا بیان کرنے سے اپنے عجز کا اظہار فرما رہے ہیں تو کس کی طاقت ہے کہ کما حقہٗ شان رسالت کو بڑی ضخیم کتابوں میں یا بیانوں سے کسی طرح بھی بیان کر سکے۔ المختصر ہم بھی سراپا عاجز بن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ نبوت میں اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے سراپا ادب و نیاز سے یہی عرض گزار ہیں کہ یا نبی علیہ السلام ہم تیری شان بیان کرنے کا احاطہ تو ہرگز نہیں کر سکتے تو اپنے اوصاف حمیدہ میں ایسا ہی شان والا نبی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے تجھے مبعوث فرمایا ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام بڑے عظیم الشان صاحب مراتب ہیں جن کے مدارج اور کمالات بہت ہی ارفع اور بلند ہیں بفرمان قرآن کریم:

لا نفرق بین احد من رسل۔ مگر فضیلت میں انبیاء علیہم السلام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسے تیسرے پارے کی ابتدائی آیات مقدسہ میں فرمایا گیا ہے:

"تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔

یہ انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اس قاعدہ کی بنیاد پر حضرت محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ علوم کے لحاظ سے بھی تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم الگ الگ ہیں جیسے آدم علیہ السلام کو علم لغت و صنائع و حرف کا علم دیا گیا تھا۔ یہ اس وقت کے موافق تھا۔ اب دور بدلا تو ادریس علیہ السلام کو علم ریاضی و حساب و کتاب عطا کیا گیا۔ اس کے بعد حالات کے موافق دانیال علیہ السلام کو علم رمل و جفر عطا ہوا

کیونکہ اس کی خاص حکمت تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر وغیرہ عطا فرمایا گیا۔ داؤد علیہ السلام کو علم زرہ سازی دیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام کو علم منطق الطیر اور ملکۂ عدالت دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کو درکھانوں اور لکڑی کی صنعت کا علم دیا گیا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو تفاصیل احکام کا علم عطا ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام کو علم زہد و ریاضت اور طب کا علم بھی عطا فرمایا گیا گویا کہ اپنے اپنے دور میں وقت کی ضرورت کے موافق اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مختلف علوم و فنون سے نوازا لیکن آخری دور میں جبکہ دنیا ہر لحاظ سے ترقی یافتہ اور جامعیت اختیار کر چکی تھی اور اب اس کائنات ارضی کو ہمہ اقسام کے مجموعہ علوم کی ضرورت تھی جن میں تمام علوم و فنون کو جمع کر دیا گیا ہو تو اس وقت رب کائنات نے ایک ایسی ہمہ گیر جامع ذات مقدس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول بنا کر بھیجا کہ جن کی ذات مقدس میں سابقین کے علوم و فنون کے ساتھ ساتھ کافی نئے علوم و فنون کے ذخائر کو بھی جمع کر دیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین کے جمیع علوم (اصلاح شدہ) کا خزینہ حضرت نبی کریم علیہ السلام کو ودیعت فرمایا گیا ہے تاکہ تا قیام قیامت اہل دنیا علم کی پیاس بجھا سکیں۔ حدیث شریف میں بھی اس کی طرف ایک اشارہ میں یوں فرمایا ہے:

"اوتیت علم الاولین والآخرین"۔

مجھے سابقہ سارے علوم عطا کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آخر میں تشریف فرما ہوئے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر علوم کا کارخانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ کی جس تعلیم کو بھی دیکھا جائے وہ کامل اور مکمل ہے۔ معاشرت۔ عقائد۔ جہانبانی۔ صفائی معاملات وغیرہ غرضیکہ اس آخری دور میں انسان کو علوم و فنون کی جتنی ضرورت تھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کمال جامعیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ذات و صفات کی کمال وسعت و جامعیت میں بڑی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مبارک بھی جامع العلوم والاحکام اور بھرپور حکمت سے لبریز ہے جس طرح علم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں بعینہٖ ایسے ہی معرفت میں بھی آپ کا کوئی نظیر نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ سے جو قرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ اور کسی کو بھی میسر نہیں۔ خود ہی فرماتے ہیں:

"لی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی
فیہ ملکٌ مقربٌ ولا
نبیٌ مرسلٌ"۔ مجھے
رب کائنات کے ساتھ قربت
کے ایسے درجات حاصل ہیں
کہ ان تک کسی مقرب فرشتے
کی نہ ہی رسائی ہوتی ہے اور
نہ ہی کسی نبیؑ اور رسولؑ کی۔

تو حق تعالےٰ کے ساتھ جس کا قرب اتنا وسیع اور بے مثل ہے تو مقامات علوم معرفت میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں ہو سکتا، یعنی بارگاہ الٰہیہ کے سب کے سب مقربان وہ ملائکہ ہوں یا رسلؑ ان سب سے مقام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی بلند ہے مگر اس کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری راتیں جب قائم اللیل بن کر نماز ہی میں گزارتے تو پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ خدامؓ عرض گذار ہوتے: یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ تو سراپا معصوم عن الخطاء ہیں۔ پھر اتنی مشقت کیوں؟ کہ پاؤں مبارک پر بھی ورم آگئی ہے تو فرماتے:

"افلا اکون عبداً شکوراً"
(کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں
(سبحان اللہ)۔

اس کے علاوہ سیرۃ طیبہ کے اوراق ملاحظہ فرمایئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہیہ میں دعا و استغفار کرتے ہیں یا حمد و ثناء اور تحمید و تمجید کس طرح سراپا عجز بن کر پیش کرتے ہیں تاکہ دریائے رحمت کو جوش دلا کر امت کے لئے بخشش کی درخواست پیش کریں۔ غرضیکہ کھانا کھاتے وقت، کپڑے پہنتے وقت یا فقر و فاقہ کے وقت حتیٰ کہ چلتے پھرتے وقت اپنے رب کے ساتھ کیسا تعلق ہے۔ اسی حال کے مناسب حمد و ثنا کے بالکل نئے نئے صیغے استعمال فرما رہے ہیں۔ اس لئے نام ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "احمد" ہوا، یعنی بہت زیادہ حمد کرنے والا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب قدوس کی ہمہ وقت حمد بیان کی اور فاذکرونی اذکرکم کے فرمان مقدس کے مطابق اللہ رب العالمین نے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فرمان کے مطابق یاد فرمایا تو آپ کا نام نامی و اسم گرامی ہوا محمد یعنی حمد کیے گئے صلی اللہ علیہ وسلم ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست
محمدؐ چشم برراہ ثناء نیست
خدا مدح آفرین مصطفےٰ بس
محمدؐ حامد حمد خدا بس
محمدؐ از تو مے خواہم خدا را
خدایا از تو عشق مصطفےٰؐ را

حمد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی نسبت پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہی "مقام حمد" قرار پایا۔ اسی لئے قیامت کے یوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مقام محمود ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ

عسیٰ ان یبعثک ربک
مقاماً محموداً

آپؐ کا رب آپؐ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔"

اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز ایک پرچم بھی عنایت فرمایا جائے گا جس کا نام "لواء الحمد" ہے۔ حمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہوگی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی قرآن کریم کا افتتاح ہی "الحمد للہ" سے ہوا ہے اور منقول ہے کہ جنت میں الحمد للہ۔ سبحان اللہ (جیسے کلمات طیبات) درختوں کے نام ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور عادت مبارک کی طرف بھی ہم اپنے احباب کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارک سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب دجل و فریب کا دنیا میں غلبہ ہو تو ان شیطانی وساوس سے پناہ مانگئے۔ نفسانیت کا غلبہ ہو تو نفس کے فریب سے پناہ طلب کیجئے۔ کفر و شرک کا غلبہ ہو تو عذاب جہنم کو سامنے رکھ کر ان سے پناہ مانگئے حتیٰ کہ بہیمت اور شہوت کا غلبہ ہو، قحط کا خطرہ ہو، ناپاک ماحول ہو یا کسی فتنے وغیرہ کے خروج کا ڈر ہو تو ان سب حالتوں میں انسان کو اپنے رب کی بارگاہ عالیہ میں عجز کے ساتھ پناہ مانگنی چاہیئے۔ اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے اور استغفار طلب کرنا اپنے گناہوں سے معافی مانگنا بنی آدم کا موروثی طریقہ ہے جیسے اپنا کر حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھنا چاہیئے۔

؎ محبوب شد آدم چوں استغفار کرد
ملعون شد ابلیس چوں استکبار کرد

قرآن کریم میں الحمد للہ سے ابتدا کی گئی ہے اور سورہ معوذتین میں اللہ تعالیٰ سے ہر آفات سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہی ایک مسلم کامل کا خصوصی وصف ہونا چاہیئے کہ ہر حال میں حمد و ثنا میں رطب اللسان رہے اور مصائب و آلام میں اپنے رب غفور الرحیم کی پناہ اور امان میں رہے۔ آپ کی حیات طیبہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے جو کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ رب کائنات کی شان معبودیت میں کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ ہی صفات میں، اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبودیت بھی اس قدر بلند و ارفع ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہم عصر نہیں۔ حق تعالیٰ معبودیت میں وحدہٗ لاشریک اور حضرت علیہ السلام عابدیت اور عبودیت میں واحد لاشریک ہیں۔ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس دنیا میں سب سے جامع کامل اور مکمل انسان ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر مظہر کمالات خداوندی سب سے زیادہ اتم ہیں۔ اس انسانی کامل مقام کو حدیث شریف میں یوں ادا فرمایا گیا ہے:

لایزال یتقرب عبدی بالنوافل۔ میرا بندہ نفلیں پڑھتے پڑھتے مجھ سے نزدیک تر ہو جاتا ہے حتی کنت سمعہ الذی یسمع بی و بصرہ الذی یبصر بی و یدہ التی یبطش بھا (الحدیث) یہاں تک کہ میں ہی اس کا کان ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے ہی سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے ہی دیکھتا ہے اور میں ہی اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے ہی پکڑتا ہے۔
(او کما قال النبیؐ)

یہ حدیث مبارک بظاہر جتنی ہی آسان ہے باطن اس کے اندر بڑے معانی و معارف پنہاں ہیں۔ اس مفہوم سے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات بھی موجود ہیں۔ قارئین حضرات ان سب آیات کو ذہن نشین کریں مثلاً:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ ان الذین یبایعونک الخ۔۔۔
من یطع الرسول فقد اطاع اللہ
وغیرہا۔

اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کارناموں میں چند متفرق کارنامے آپ حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ایک مرتبہ ابوجہل ایک اسکیم بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض گذار ہوا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تم اگر واقعی سچے نبی اور رسول ہو تو یہ بتاؤ کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بتاؤں کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے یا خود وہی چیز جو تمہارے ہاتھ میں ہے بتائے کہ میں کیا ہوں۔ اس نے کہا یہ اور بھی اچھی اور عمدہ بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو کنکریوں نے فوراً بلند آواز سے کہا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۲۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو قریش مکہ نے کہا کہ العیاذ باللہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے گا یا زندہ گرفتار کر کے پیش کرے گا ان کو ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ سو اونٹ کا انعام سن کر "سراقہ" نامی ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا اور جائے رہائش تک جا پہنچا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو قبول ہوئی اور فوراً اس "سراقہ" کے گھوڑے کے سم زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ رحمۃ اللعالمینؐ نے ایسے بدترین دشمن کے لئے بھی دعائے خیر فرمائی جو مقبول ہوئی اور اس کے گھوڑے کے سم زمین سے باہر نکل آئے، مگر سو اونٹ کے لالچ نے اس کو پاگل بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس نے پھر گھوڑے کو حرکت دی تو اسی طرح اس کے گھوڑے کے سم پھر زمین میں دھنس گئے تو وہ گھوڑے سے اتر کر معافی کا خواستگار ہوا۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسے پھر بھی بخش دیا۔ گھوڑے کی ٹانگیں بھی باہر نکل آئیں۔ اس نے اس کی تحریر لکھنے کی التجا کی جو حضرت صدیق اکبرؓ کے غلام نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر اس کو دیدی۔ منقول ہے کہ اس سراقہؓ نے اس واقعہ کے آٹھ سال بعد اسلام قبول کر لیا۔

۳۔ ایک بار ایک صحابیؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ اس نے چند بار یہی سوال دہرایا مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر بار یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ اگر بحیثیت انسان کے غصہ آ بھی جائے تو اس کو ضبط کر لیا کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں جو کشتی لڑ کر اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت غصہ پر اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

۴۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی کسی سے اس بارے میں شکایت فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک بار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاقہ سے تھے تو حضرت ام المؤمنینؓ رو پڑیں اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم اتنا تو کھا لیا کرو تاکہ جسمانی قوت تو قائم اور بحال رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ! مجھے دنیا سے کیا غرض۔ میرے بھائی انبیاء کرام علیہم السلام تو اس سے بھی زیادہ فاقہ پر صبر کر لیا کرتے تھے۔ وہ اسی حالت پر زندگی گزار کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات سے ان کو خوب نوازا۔ اب میں آسودگی کی زندگی گزاروں تو شرم آتی ہے۔ کل ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ مجھے بڑی رغبت اس سے ہے کہ جلد از جلد اپنے ان بھائیوں سے جا کر ملوں۔ اسی لئے فرمایا:

تحفۃ المومن الموت۔

۵۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں فاقہ کی حالت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی، مگر کاشانۂ نبوی میں بھی پانی کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

آج رات اس مہمان کو جو کھانا
کھلائے گا اس پر اللہ تعالیٰ
کی بے پایاں رحمت نازل
ہو گی۔

یہ سعادت ایک انصاری صحابیؓ کے حصہ میں آئی۔ وہ اس کو اپنے ہمراہ گھر لے گیا اور اہلیہ سے دریافت کیا کہ گھر میں کچھ ہے۔ اس نے کہا ہاں اتنا ضرور ہے کہ بچوں کا آج شب کو گذارا ہو جائے گا۔ اس نے کہا بچوں کو دلاسا دے کر نیند کرا دیں۔ یہ حضرت علیہ السلام کا مہمان ہے رکھانا جب ہمارے سامنے آئے تو چراغ گل کر دیں۔ ہم رات بھر سب آدمی بھوکے رہیں گے۔ البتہ مہمان پر اپنی یہ حالت ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔ صبح کو جب یہ آدمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو آپؐ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کے اس کام پر بہت خوش ہوا۔

۶۔ ایک سفر میں صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کر کے اس کے پکانے کا پروگرام بنایا اور کام تقسیم کر کے کسی نے پانی مہیا کرنے کا ذمہ لیا، کسی نے یہ سالن تیار کرنے کی حامی بھری۔ ان میں سب کاموں سے مشکل کام جنگل سے لکڑیوں کے جمع کرنے کا تھا۔ سو وہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں میں جمع کر کے لاؤں گا۔ بعد میں متعدد حضراتؓ نے یہ فرض ادا کرنے کے لئے اصرار کیا مگر آپ علیہ السلام نے نہ مانا۔ خود جنگل میں تشریف لے گئے۔ لکڑیوں کی ایک گٹھڑی لے کر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں بغیر کام کئے تم پر بوجھ بن جاؤں۔

۷۔ ایک مرتبہ ایک اجنبی آدمی آپ علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کانپنے لگا۔ وہ جلال نبوت سے گھبرا گیا مگر آپ علیہ السلام نے اس کو تسلی دے کر فرمایا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ میں سلطان اور بادشاہ وغیرہ نہیں ہوں۔ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت اور سوکھی روٹی کھایا کرتی تھی۔ (اللہ اکبر)

۸۔ ایک مرتبہ حضرت علیہ السلام سفر میں تھے کہ آپ علیہ السلام کا جوتا مبارک ٹوٹ گیا۔ آپ علیہ السلام اسے گانٹھ رہے تھے کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا حضرت علیہ السلام میں یہ درست کرنا جانتا ہوں۔ مجھے عنایت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں لگتی، میں اپنا جوتا خود ہی درست کروں گا۔

۹۔ ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر راستے ہی میں آرام فرما رہے تھے اور صحابہ کرامؓ کسی اور مقام پر تھے۔ اس موقع کو غنیمت تصور کرتے ہوئے کفار نے غوث بن حارث نامی کو آپ علیہ السلام کے قتل کر دینے کے لئے بھیجا۔ یہ غوث تلوار لے کر آیا۔ جب آپ علیہ السلام کے اوپر کھڑا ہو گیا تو آپ علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی۔ غوث نے تلوار لہرا کر کہا کہ اس وقت تم کو کون بچائے گا؟ آپ علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا جو ہمیشہ بچاتا آیا ہے۔ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر تلوار گرا دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اٹھا لی اور فرمایا اب تجھے کون بچائے گا۔ غوث کانپنے لگا۔ آپ علیہ السلام نے اسے معاف کر دیا اور حرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ تلوار بھی اس کو واپس کر دی۔ وہ جب اپنے قبیلے پہنچا تو آپ علیہ السلام کے

حسنِ اخلاق کی بہت مدح کی اور کہا کہ میں نے آج تک ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس نے اپنے جانی دشمن کو بھی معاف کر دیا ہو۔

۱۰۔ آپ علیہ السلام نے ایک بار فرمایا کہ مسلمان نہ کسی کو طعنہ دیتا ہے اور نہ کسے لعنت بھیجتا ہے۔ نہ بدزبانی سے پیش آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی شان کتنی بلند ہے۔

۱۱۔ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے جنت کی خوبیوں کا ذکر فرمایا۔ مجلس میں موجود ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت علیہ السلام یہ جنت کس کو ملے گی۔ فرمایا:

- جو خوش کلامی سے پیش آتا ہو،
- بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہو
- پیاسوں کو پانی پلاتا ہو
- اکثر روزے رکھتا ہو، اور
- اس وقت بھی نماز پڑھتا ہو جبکہ دنیا سو جاتی ہے۔

۱۲۔ ایک دن حضرت علیہ السلام صحنِ کعبہ میں اپنی چادر نیچے رکھ کر سوئے ہوئے تھے کہ صحابہ کرامؓ جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اس حالت میں جناب حضرت خبابؓ نے حاضرِ خدمت ہو کر دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے پہلے لوگوں کے حالات یہ تھے کہ ان کے جسموں میں لوہے کی سلاخیں ماری جاتی تھیں اور ان کی کھالیں تک ادھیڑی جاتی تھیں مگر وہ حق پر قائم رہتے اور حق کو بیان کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے سروں پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ اس دینِ اسلام کو کامل و مکمل کرے گا اور امن و امان کی فراوانی ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ ہو گی اور نہ ہی غیر اللہ کا خوف رہے گا۔

۱۳۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت علیہ السلام کے ساتھ سواری میں آپ علیہ السلام کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے لڑکے میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں تم ان کو غور سے سنو! دیکھ تو خدا کو یاد رکھ خدا تجھ کو یاد رکھے گا۔ تو خدا کو یاد رکھ تو خدا کو تو اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگے تو رب العزت سے مانگ، جب تو کسی مشکل میں مدد کا طالب ہو تو خدا کو اپنا مددگار بنا۔ اگر سب لوگ اکٹھے ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو کچھ بھی تیرا نہ بگاڑ سکیں گے سوائے اس کے کہ جو خدا نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔"

نفس نفس پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں
جہاں جہاں بھی وہ شفیع عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

اس کے علاوہ بھی تعلیماتِ احمدیہ میں سے ایسے متفرق واقعات ذہن میں تو سینکڑوں ہیں، مگر مضمون کی طوالت کے باعث بیان کرنا دشوار ہے۔ ہاں صرف ایک ضروری وضاحت بیان کرنے کی شدید ضرورت کے تحت عرض ہے کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر حضرت محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت ہے۔ اس محبت کی وجہ سے گھر گھر میلاد پڑھے جاتے ہیں اور جگہ جگہ سیرت کے جلسے بھی ہوا کرتے ہیں لیکن میلاد کی محافل میں صرف ذکرِ ولادت وغیرہ یا کچھ نعتیں۔ نظمیں پڑھ کر ختم کر دیے جاتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک بیان کرنا بھی بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن صرف ذکرِ ولادت پر اکتفا کرنا اور نبوت کے احوال کا تذکرہ ترک کر دینا بہت زیادتی ہے۔ مقصدِ بعثت کو چھوڑ کر گھڑی ہوئی روایات پر محافل بند کر دینا اور مٹھائی وغیرہ لے کر چلے جانا بڑی زیادتی ہے یا محافل کی صبح کو جو نمازیں وغیرہ ختم ہوتی ہیں نماز کی طرف توجہ نہ دینا یہ بھی محفلِ میلاد سے ایک قسم کی زیادتی ہے۔ اگر ان کا منشا واقعی محبت ہوتا تو ان مبارک محافل و مجالس کے قبل یا بعد یا عین انعقاد کے وقت منکرات و مناہی کا ارتکاب نہ ہوتا۔ محبت کا دعویٰ۔ اور جس کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے اس کی صریح مخالفت، اس کی صورت سے گریز، اس کی سیرت سے بُعد، اتباعِ سنت سے دوری یہ کیسی محبت ہے حالانکہ محبت والا تو اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے

ع ان المحب لمن یحب مطیع

سیرت کے ان مقدس جلسوں میں اخلاص اور للہیت ہونی چاہئے مگر وائے افسوس کہ مقررین اس سے اکثر خالی اور غافل ہوتے ہیں اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ میری تقریر سب کے آخر میں ہو تا کہ سب نے جو بیان کیا ہو اس سب سے بڑھ چڑھ کر میرا بیان ہو۔ پھر پیسے دینے کے چکر میں بھی ہوتے ہیں۔ نہ ملے یا تھوڑا ملے تو شکایات ہوتی ہیں۔ بہت سے شیریں واعظ جنکا پیشہ ہی تقریریں کرتے پھرنا ہے محرم اور ربیع الاول میں تو ان کی پانچوں گھی میں ہوتی ہیں۔ یہاں کے کاروبار کا سیزن ہوتا ہے، اس لئے حق کہنے سے دبتے ہیں۔ بدعت و شرک کی تردید سے بھی گریز کرتے ہیں۔ برسہا برس گزرتے جاتے ہیں مگر انکی تقریروں سے عوام کی اصلاح کی کوئی امید نہیں اس لئے کہ یہ حضرات تو ہر حالت میں عوام کی اصلاح کی بجائے انکو خوش رکھ کر اپنی جیب گرم رکھنا چاہتے ہیں۔ سیرت کے اجتماعات میں اور بھی کئی ایسے پہلو ہیں کہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ کی ضرورت ہے گر

ع نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

ضرورت ہے کہ اس پرفتن دور میں بڑی سختی سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ آپ علیہ السلام کی اتباع کے بغیر اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین نقشِ قدم کا شیدائی بنائے۔ •

دلسوز محمد نعیم تونسی

انوارالعلوم گوجرانوالہ

نیّرِ ولایت، آفتابِ ہدایت، وارثِ رسالت، صاحبِ فراست، شہبازِ خطابت، امیرِ شریعت، نقیبِ انقلاب

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اقوام مشرق نے قطب وابدال اور رشیوں کو جنم دے کر روحانی دنیا سے بڑائی اور باپ کی جڑیں کھوکھلی کر دیں تو اس زمین نے کچھ ایسے لوگوں کو اپنی آغوش میں جنم دیا ہے اور جوان کیا کہ جن کی ایک للکار سے شہنشاہوں کے ایوان متزلزل ہو جاتے تھے ایسے لوگ کبھی تلوار سے باطل پر حملہ آور ہوئے اور کبھی انہوں نے گفتار کے سہارے سلطنتوں کے کردار روند ڈالے۔ فرنگی حکومت کے عہد میں جب اس کی سلطنت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے برصغیر پاک و ہند میں اپنی تقریروں سے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا وہ یونین جیک جس کی پروازوں نے سارے ایشیا کو گھیرے میں لے رکھا تھا اس بری طرح اس کی دھجیاں بکھریں کہ سمندر کی گہرائیاں بھی اسے پناہ دینے پر مجبور ہو گئیں۔ یہ مرد قلندر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۱ء جمعۃ المبارک صبح سویرے حافظ سید ضیاء الدین بخاری کے گھر شہر عظیم آباد ضلع بہار میں پیدا ہوئے۔ نام عطاء اللہ رکھا گیا۔ ابھی شاہ جی چار سال کی عمر تک پہنچے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں کے سایہ سے محروم امیر شریعت باپ کی آغوش میں پرورش پانے لگے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی حاصل کی۔ باقی تعلیم امرتسر میں کئی ایک علماء سے پائی۔ جلیانوالہ باغ کے المیہ سے ایک ہفتہ قبل ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر ریلوے پل پر فرنگی حکومت نے نہتے عوام پر گولیاں برسائیں جس سے ہندو اور مسلمان شہید ہوئے ان تمام لوگوں کی لاشیں جائے حادثہ سے اٹھا کر مسجد خیر الدین میں لائی گئیں۔ ان دنوں شاہ جیؒ اس مسجد کے مدرسہ میں طالب علم تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تمام لاشوں کو اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور یہاں سے سب کے جنازے اور ارتھیاں اٹھائی گئیں اور شریعت کی عوامی زندگی کا یہاں سے ہی آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں مولانا سید داؤد غزنوی بلقانی ریاستوں پر حکومت انگلشیہ کے ظلم وستم کی دردناک داستانیں عام اجتماعات میں سنانے کے باعث عوام میں خاصے مقبول و منظور ہو چکے تھے۔ یہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا ابتدائی دور تھا۔ جو سبق دن میں اپنے اساتذہ سے پڑھتے رات کو محلہ کی کسی مسجد میں اس پر وعظ کر دیتے۔ مولانا غزنوی ان کی شہرت سے متاثر ہو کر شاہ جیؒ کو ملے۔ اور ترکوں پر عیسائیت کے ظلم کی المناک داستانیں شاہ جی کے گوش گزار دیں۔ مولانا غزنوی کی زبان سے ظلم و بربریت فرنگی سن کر تعلیم کو ادھورا چھوڑا اور میدان سیاست کی خار دار جھاڑیوں میں کود پڑے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں کانگریس مسلم لیگ خلافت کے سالانہ اجلاس ہوئے۔ امیر شریعت نے پہلی دفعہ ان اجتماعات میں سیاسی تقریر کی اور اسی پنڈال میں ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر سے آشنائی ہوئی۔

پہلی گرفتاری:

تاریخ خلافت اور ترک موالات کے سیاسی گھوڑے ایک ساتھ محو پرواز تھے۔ ہندوستان حکومت فرنگی سے جہاد آزادی میں شریک تھا اور امیر شریعت امرتسر سے نکل کر پورے پنجاب پر چھا گئے اور وہ فضاؤں میں فرنگی سامراج کے خلاف بغاوت کے جراثیم پھیلانے میں معروف ہو گئے۔ پنجاب کے دیہاتوں میں انگریزی سامراج سے نفرت کی تخم ریزی کر رہے تھے کہ ۲۷ مارچ ۲۳ء کو انہیں امرتسر میں تقریر کے جرم میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت شب کے ۲ بجے گرفتار کر لیا۔ ۲ اپریل کو امیر شریعت ایک انگریز مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کر دیئے گئے۔ تین ماہ قید تنہائی کا حکم ہوا۔

اور سزا میانوالی جیل میں بسر کی گئی۔

۲۱ اکتوبر ۲۴ء کو امیرِ شریعت جیل کی تاریکیوں سے نمودار ہوئے تو ہندوستان کی فضا میں شہیدانِ جلیانوالہ باغ کا خون کھو چکا تھا۔ سیاسی حالات کا وہ رنگ و روغن ضائع ہو چکا تھا جس کی زیبائش کے لیے شہیدانِ وطن نے اتنا خون دیا تھا۔ ہندو مسلم باہم اتحاد کی دیواریں ٹوٹ چکے تھے۔ محبت کی وہ عمارت انگریزی راج کی سیاسی چال سے گر چکی تھی۔ تحریک ترکِ موالات اور خلافت کی وہ آندھی جس سے فرنگی سامراج کا چمن تباہی و بربادی سے ہمکنار ہونا تھا وہ اپنے ہی باغ کی روشنی کے مدہم ہونے میں کارگر ہوئی۔ ستمبر ۱۹۲۴ء کو ملتان ہی کے موقع پر ہندو مسلم فساد ہوا اور دوسرا ۹۔۱۰ ستمبر کی درمیانی رات ۱۹۲۴ء کو کوہاٹ میں ہوا تو تحریک آزادی کا پھول ہندو مسلم فسادات کی بادِ سموم سے مرجھا گیا اور انہیں فسادات نے تحریکِ شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنم دیا۔ لاہور میں راجپال سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ جس کسی نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرنے کی جرأت کی وہ واصلِ جہنم ہوا۔ اس تحریک کو جنم دینے والے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر کہا تھا:

"مسلمانو! یا تو توہینِ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے کان
نہ رہیں یا توہینِ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے
زبان نہ رہے۔"

دہلی، کراچی، لاہور، جہلم اور کلکتہ ان تمام شہروں میں گستاخانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام واصلِ جہنم کیے گئے اور ان کے قاتلوں نے تختۂ دار پر جامِ شہادت نوش کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سیاسی اور مذہبی زندگی کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے سارے ہندوستان میں اپنی شعلہ نوائی سے ایسی آگ لگائی وہ تمام تحریکات جنہوں نے گستاخانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنم دیا ہمیشہ کے لیے مات کھا گئیں۔

آخر شاہ جی ۱۹۲۵ء میں دفعہ ۱۰۸ کے تحت دہلی میں گرفتار کر لیے گئے۔ یہ گرفتاری ان وجوہات کی بنا پر عمل میں آئی تھی۔

۱۔ آپ نے ہندو مہاسبھا کے خلاف تقاریر کی تھیں۔

۲۔ گستاخانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جہنم کی دیواروں سے آشنائی کروائی تھی اور ہندوستان کے سارے فسادات کی ذمہ داری فرنگی سامراج پر ڈالی۔

اور اس مقدمہ میں امیرِ شریعت چھ ماہ قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کے سزاوار ہوئے۔

معیادِ اسیری بسر کر کے رہائی ہوئی تو راجپال کے قتل کا فتنہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ گھر آتے ہی سستانے کی بجائے اس فتنہ کی جڑیں اکھاڑنے میں مصروف ہو گئے۔ ایسی شعلہ فگن تقریریں کیں۔ ۱۶ اپریل ۲۹ء کو غازی علم الدین شہیدؒ نے راجپال کو نبی مقدس کی توہین کرنے کے جرم میں سرِ عام قتل کر دیا۔ اسی ضمن میں امیرِ شریعت و مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور غازی عبدالرحمٰن کو بھی ایک ایک سال سزا ہوئی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت ایسا قانون وضع کرے کہ آئندہ ہندوستان کے کسی باشندے کو کسی مذہب کے بزرگ کی توہین کرنے کا موقع نہ ملے جو ایسا جرم کرے اُسے سزا دینی چاہیئے۔ دن گذرتے گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تیسری بار جیل سے رہا ہوئے تو ملک میں کانگریس تحریک آزادیِ وطن شروع کر چکی تھی۔ اسی دوران جمعیۃ علماء ہند کا ایک خاص اجلاس ہو رہا تھا جس میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کو تحریک کانگریس میں شامل ہونا چاہیئے کہ نہیں۔ اس اجلاس میں امیرِ شریعت نے سترہ گھنٹے تقریر کی اور تحریکِ آزادی کے سلسلہ میں ہندوستان کے طول و عرض کا سفر کیا۔ عوام کو فرنگی سامراج کے خلاف بغاوت کا درس دیا اور تقریباً ہر ضلع میں شاہ جیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ آخر بنگال میں گرفتار ہوئے اور چھ ماہ کی سزا پائی۔

بطلِ حریت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حالاتِ زندگی بہت طویل ہیں۔ ان سب کا احاطہ کے لیے پوری کتاب کی ضرورت ہے لہٰذا یہاں اجمالاً کچھ لکھ لیا۔ شاہ جی بچپن ہی سے عزم و حزم کا پیکر تھے۔ ان کے چہرے پر جمال صباحت، رنگوں اور حسن ملاحت کی رعنائیاں نمایاں تھی۔ ان کے لحن داؤدی سے قلب و جگر کسمسانے لگتے تھے۔ فکر و نظر رشک کرنے لگتے تھے۔ ان کے تفسیری ملکہ پر علماء فضلاء دنگ رہ جاتے تھے۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد خطاب شروع کرتے اور صبح کی اذان پنڈال میں ہو جاتی۔ مگر لوگ ذرا بھی تکان محسوس نہ کرتے۔ وہ ایک سحر بیان مقرر، شیریں بیان ادیب، سخن گو اور سخن فہم شاعروں میں سے تھے۔ اگر وہ دولت کے پجاری ہوتے تو آج ان کا نام بائیس خاندانوں میں سرِ فہرست ہوتا۔ دولت و ثروت ان کے قدموں میں فخر محسوس کرتی۔ بڑے فلک بوس ایوانوں میں زندگی بسر کرتے، مگر ان کے فقیرانہ تیور میں جلالِ سکندری کا خمار تھا۔ ظاہری اور مالی وجاہت سے خالی دامن تھے مگر بڑی بڑی حکومتیں آپ کے نام سے کانپ اٹھتی تھیں۔ زمانے کے جابر ان کا نام سُن کر گھبرا اٹھتے تھے۔ ان کے قتل کے منصوبے قادیان میں بنتے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نظرِ بد سے دیکھ سکے۔ سامراجی اقوام ان کی حیات کو اپنی فنا تصور کرتی تھیں۔ انہوں نے اسلام کی سربلندی، ختمِ نبوت کی عظمت اور قوم کی خدمت میں اپنی زندگی کے چالیس سال پورے کر دیے۔

تحریک آزادی کے ایام میں تقریباً گیارہ سال پابند سلاسل رہے۔ بے شمار قاتلانہ حملوں سے محفوظ رہے۔ تین دفعہ زہر دیا گیا کئی بار سزائے موت کا حکم ہوا۔ مگر شجاعت اور حق گوئی میں علاؤالدین ہیثیم اور احمد بن حنبلؒ کی یاد تازہ کر کے دکھائی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں قاسم نانوتویؒ اور محمود الحسنؒ کا سپاہی ہوں۔ انہوں نے ہمیشہ فرنگی سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حریت و فکر کے دل گداز نغمے گائے۔ میں بھی ان کا پرچم اٹھائے پھر رہا ہوں۔

تبلیغی خدمات:

اردو زبان کی بلبل خطابت میں شاہ جیؒ کا پورے ایشیا میں کوئی ثانی نہیں ملتا۔ ان کی جادو بیانی پر سکھوں اور بہت سے ہندوؤں نے کلمۂ توحید بلند کیا۔ وہ صرف سٹیج کے خطیب نہ تھے بلکہ جو کچھ ان کی زبان پر ہوتا وہی ان کے دل کی آواز ہوتی تھی۔ ان کی خطابت سے فرنگی ایوان لرزتے تھے۔ سامراج سلطنت کا ظلم اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔ انہوں نے تبلیغی فرائض میں پنجاب کے خطرناک علاقوں میں شرک و بدعت کو بیخ و بن اکھاڑ کر دم لیا۔ ان کی خطابت سے لاکھوں مسلمان شرک و بدعت جیسے مرض سے محفوظ ہوئے۔ انہوں نے قرآن مجید کی قرآنی آیات کو تقریروں میں عام بیان کیا جن کو علماء نے سامراجی دبدبے کے خوف سے طاق نسیاں پر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے ناموس رسالت کی خاطر جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا اور ناموس پیغمبر کی حفاظت میں ایک ایسا ذہن بنایا کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں نے چند ہی دنوں میں ان کی دیدہ دلیری پر ایک تحریک کا آغاز کر دیا۔ شاہ جی نے مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے نہ صرف شرک و بدعت کے خلاف جہاد کیا بلکہ منکرات کی راہ رو کی اور قادیانیت بے بس ہو کر رہ گئی۔ شاہ جیؒ کی خدمات تبلیغی ملی و قومی بیان کرنی ہوں تو ایک مستقل کتاب رقم کی جا سکتی ہے۔

امیر شریعتؒ کی

سیاسی و قومی خدمات:

۱۔ تحریک کشمیر میں قادیانیوں کی سرگرمیوں کا تعاقب کیا۔ لاکھوں کشمیری مسلمانوں کے سامنے اس جماعت کو بے نقاب کیا۔

۲۔ شاہ جیؒ نے وہ تقاریریں کیں کہ صدیوں تک ان کے اثرات فضاؤں میں گونجتے رہیں گے۔

۳۔ تحریک ختم نبوت میں شاہ جیؒ کی جرأت و ہمت کا مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں۔

۴۔ لکھنؤ کے شیعہ سنی فسادات کے بعد شاہ جیؒ نے تحریک مدح صحابہؓ میں شمولیت اختیار کی۔ پورے ملک میں خلفاء راشدینؓ اور صحابہ رسولؐ کے مناقب پر تقاریر کیں اور اس طرح ناموس صحابہؓ کا تحفظ کیا۔

۵۔ امیر شریعت نے مسلمانوں کے باہمی فروعی اختلافات ختم کر کے انگریز کے خلاف متحدہ ہونے کے لئے ملک گیر دورے کئے۔

۶۔ پنجاب کے مسلمانوں سے انگریزی کارندوں کا رعب خاک بسر کر کے مسلمانوں کو فکر حریت بخشا۔

۷۔ قوم و وطن کی آزادی کے لئے تقریباً گیارہ سال جیل کاٹی۔

۸۔ تحریک احرار کو ایسا محفوظ کیا کہ اسے ہندوستان بالخصوص پنجاب میں خلاف وطن اور خلاف اسلام اٹھنے والی ہر سازش کی دھجیاں اڑائیں۔

۹۔ مسلمانان ہند کو فرنگی سامراج کے استبداد، سامراجی تہذیب کی شخصیت سے آشنا کر کے حریت و فکر کا درس دیا۔ برطانیہ جیسی سلطنت کی دھجیاں اڑانے والے انسان کی زندگی کے حالات و واقعات کو وضاحت سے تو عرض نہ کر سکا اگرچہ اس کے سیاسی حریف زندگی میں اس کے راستوں میں کانٹے بکھیرتے رہے اور اس کی راہیں مسدود کرنے سے گریز نہ کیا۔ مگر اس کی زندگی ایک چمکتا ہوا سورج تھے دمکتا ہوا چاند ہے اور آخر وہ شخصیت جس کی آواز سے برطانوی ایوان ہل جاتے تھے بیماری کی آغوش میں آئی۔

وفات:

ماضی کی پچاس سالہ تاریخ کا معمار اواج آزادی وطن کا میر کارواں جس کی گرج میں شیروں کا سا وقار تھا۔ گفتار میں بجلی کا سا کردار تھا۔ چلن میں پہاڑوں کی بلندی تھی۔ جذبات میں سمندروں کے طوفان لے کر حکومتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جانے والا آج اپنی چارپائی پر بے حس و حرکت پڑا اپنے خالق حقیقی کے فیصلے کا منتظر تھا۔ آخر خداوند قدوس کے فرشتے نے گھر کی چار دیواری پھاند کر دستک دی۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو اپنے آخری لمحات گذار رہا تھا۔ سات بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ برصغیر کا بطل حریت جلیل القدر اپنی زندگی کے بہتر سال گزار کر رخصت ہوا۔ ۲۲ اگست کو نماز ظہر کے بعد امیر شریعت کا جنازہ اٹھانے کا اعلان ہوا۔ وہ سورج اپنے ساتھ علم کا المیہ لے کر طلوع ہوا۔ جرأت ایمانی اور قوت انسانی کا چراغ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ علوم و فنون اور حریت و افکار کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے گہنا ہو گیا۔

خطیب اعظم اتنی طبع کی رعنائیاں اور ذہنی قدرت کے قضا و قدر کے حوالے کر کے جہان بے مروت سے رخ موڑ چکا تھا۔ وقت کے عروج و زوال (باقی ص ۲۷ پر

مولانا ابوالحسن علی ندوی

عہد حاضر کا چیلنج اور امّت محمّدیہ کے فرائض

جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کے اساتذہ، طلبہ اور معززین شہر سے خطاب۔ یہ جلسہ ۲۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو جامعہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ خیر مقدمی کلمات اور تعارفی تقریر مولانا حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف (ناظم و بانی جامعہ) کی ہوئی۔ اختتامی خطاب اور کلمات تشکر مولانا عبدالغفار حسن صاحب (استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ) نے ادا فرمائے۔

عہد حاضر کا چیلنج اور

امّت محمدیہ کے فرائض

حمد وثنا کے بعد

هوالذی بعث فی الامیّین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة۔

حضرات ذمّہ داران جامعہ، اساتذۂ جامعہ اور عزیز طلبہ!

مجھے آپ کی اس مجلس میں شرکت سے مسرت ہے اور یہاں میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا اور مجھے محسوس بھی نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ سب حاضرین ہم زبان اور ہم خیال ہیں اور ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک ہی قافلہ کے مسافر ہیں۔ علم دین کا قافلہ اور اسلام کی دعوت اور ترجمانی کا قافلہ۔

عصر جدید کا چیلنج:

میں سمجھتا ہوں کہ عصر جدید کا سب سے بڑا فتنہ اور جدید اصطلاح میں چیلنج مادیت، نفس پرستی اور دولت ہے۔ یہ فتنہ ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن یہ فتنہ اس زمانہ میں جس طرح منظم، طاقتور دلائل اور فلسفوں سے سامنے آیا ہے اس طریقہ سے کبھی نہیں آیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ دور میں مادیت کے عروج کے زمانے میں بھی لوگ مادیت کے نقطۂ عروج پر تھے۔ وہ بھی احساس کمتری کا شکار تھے

وہ اپنی عادتوں کے غلام اور دولت اقتدار کے پرستار تھے لیکن ان کو اس پر فخر نہیں تھا بلکہ وہ کچھ شرمندہ شرمندہ نظر آتے تھے۔ ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی تسکین تو کر رہے ہیں، لیکن دماغوں کی تسکین سے عاجز ہیں۔ آپ اس زمانے کی تاریخ پڑھئے اور مادیت کے علمبرداروں کی نفسانیت کا مطالعہ کیجئے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس زمانے کی جو روحانی ہستیاں تھیں بلکہ جو لوگ پستیوں سے بلند تھے یہ دنیا داران کے سامنے جھک جاتے، ان کے سامنے آنے سے کتراتے تھے، شرماتے تھے۔ ان سے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ ان کے پہلو میں نفس "لوّامہ" تھا۔ یعنی وہ ضمیر جس کو اپنے جرم کا احساس ہو، ان کا ضمیر بھی اس قسم کا تھا۔ سارے مظالم کے باوجود یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ٹھیک راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ جو مادیت کے بام عروج پر تھے وہ بھی بعض مرتبہ خلوتوں میں روتے تھے اور بعض مرتبہ جب ان کا ضمیر بیدار ہوتا تھا تو اپنی زبان سے اقرار بھی کر لیتے تھے کہ ہمارا راستہ غلط ہے اور ہم نفس پرستی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی کیمپ

کا واحد نقطہ نظر:

لیکن اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ مادیت کو ترقی وشائستگی کا منتہی سمجھا جاتا ہے۔ مادیت کے بارے میں مشرقی اور مغربی کیمپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ مادیت کی تنظیم کس طرح کی جائے اور یہ کس فلسفہ اور کس

مکتبِ فکر کے ہاتھ میں رہے ۔ امریکہ کا اصرار ہے کہ اپنی ملکیت میں آزادانہ تصرف اور اس کے استعمال کی آزادی رکھنے کا اصول صحیح ہے اور مشرقی کیمپ روس کمیونسٹ بلاک اس پر یقین رکھتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ یا خاندان کی اجارہ داری غلط ہے ۔ وسائلِ زندگی کو عام کرنا چاہیئے اور اس میں پوری مساوات ہونی چاہیئے اور اس کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے لیکن زندگی کس طرح گذارنی چاہیئے ؟ زندگی کی طاقتوں کو کس طرح استعمال کرنا چاہیئے ۔ زندگی کی تنظیم کس طرح کی جائے اور وسائل و مقاصد میں کس طرح ہم آہنگی اور تعاون ہونا چاہیئے ۔ پھر اس کے نتائج سے کس طرح متمتع ہوا جائے ۔ اور اپنی زندگی کا منتہیٰ منزلِ مقصود کس کو بنانا چاہیئے ؟ انسان کی ترقی کا راز کس میں پنہاں ہے ۔ اس بارے میں ان دونوں فلسفوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ وہ دونوں اس چیز کے قائل ہیں کہ اصل چیز لذت، عزت اور ارادہ کی آزادی ہے ۔ جو جی میں آئے کرنا اور اپنے نفس کو تمتع کا پورا موقع دینا اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اور نفس کے جو حقوق ہیں ان کو پورا کرنا ۔ اس مادی جسم کو گوشت پوست کے جسم کو آرام پہنچانا ہی اصل مقصود ہے ۔ نہ کہیں سے آئے تھے اور نہ کہیں جانا ہے، نہ کسی کے سامنے حساب کتاب پیش کرنا ہے اور نہ اس سے بلند و بالا کوئی فلسفۂ اخلاق ہے نہ فلسفۂ روحانیت ہے، نہ کوئی فلسفۂ عقائد ہے، اور نہ اس کے علاوہ کوئی حقائق ہیں ۔ حقیقتِ مطلق حقیقتِ کلی یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ ہم اس کے ذخائر اور مواقع سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو آپس میں بانٹ کر کھائیں اور زندگی کا لطف اٹھائیں، اس میں جو چیز بھی حائل ہو اس کو دور کر دینا چاہیئے یعنی مقصد ہے تو نفع اٹھانا لیکن جو چیزیں حائل ہیں ان کی تعیین میں اختلاف ہے ۔ کوئی کہتا ہے اس میں شاہی حائل ہے ۔ ایک خاندان کی مطلق العنانی حائل ہے ۔ کوئی کہتا ہے اس میں ذاتی ملکیت حائل ہے ۔ کوئی کہتا ہے اس میں سرمایہ حائل ہے اور سرمایہ داری کا استحصال حائل ہے ۔ کوئی کہتا ہے غلط تقسیم اس میں حائل ہے ۔ کوئی کہتا ہے کہ اس میں جہل حائل ہے ۔ کوئی کہتا ہے اس میں اچھے ادارہ اور طاقت کا فقدان جو ان سب وسائل کو سب پر تقسیم کرے حائل ہے ۔ غرضیکہ اجزا اور عوائق میں ان کے درمیان اختلاف ہے لیکن مقصود میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اس زمانہ میں مادیت کی جو تنظیم ہو گئی ہے جس طرح اس کو ریفائن (REFINE) کیا گیا ہے جیسے شاندار نام دیے گئے ہیں، جس طرح اس پر خوبصورت لیبل لگائے گئے ہیں ۔ جس طرح دکان پر شاندار سائن بورڈ آویزاں کئے گئے ہیں جس طرح اس کے پیچھے ذہین ترین اور لائق ترین افراد کی توانائیاں اور صلاحیتیں کام کر رہی ہیں جس طرح مادیت کو عام کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ قابلِ قبول بنانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں اس ہمارے علم میں انسانی تاریخ کے کسی دور میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا

سب سے بڑا چیلنج مادیت

اس طرح اس دور کا سب سے بڑا چیلنج مادیت کا چیلنج ہے ۔ یہ ایک ایسی کلی حقیقت ہے جس کے اصول و انواع تو سینکڑوں ہو سکتے ہیں لیکن جنس ایک ہے ۔ جنس ہے مادیت ۔ اب اس کے انواع میں سرمایہ داری ہے، اشتراکیت بھی ہے ۔ اشتمالیت (کمیونزم) بھی ہے اور دوسرے اقتصادی فلسفے بھی ہیں لیکن سب کا منتہیٰ اور نقطۂ جامعہ قدرِ مشترک (COMMON FACTOR) مادیت ہے ۔ نفس پرستی ہے ۔

وہ حقائق جو مادیت پر ضربِ کاری لگاتے ہیں

جب انسان اپنے پیٹ کا اپنے معدے کا غلام تھا اپنے اندرونی سفلی خواہشات کا غلام تھا ۔ جب انسان دولت عورت ۔ زمین کے سوا کسی کو حقیقی نہیں مانتا تھا ۔ جب دنیا کی کثیر آبادی مخلوق کے سامنے جھکتی تھی اور اس کے سامنے دبتی تھی ۔ انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے دور میں تشریف لائے اور انہوں نے بتلایا کہ اس عالم سے ماورا ایک اور عالم ہے ۔ وہ عالم اس عالم سے کہیں زیادہ وسیع کہیں زیادہ رقیق کہیں زیادہ حسین اور جمیل ہے ۔ اس عالم کو اگر تم دیکھ لو تو اس عالم کو گوارا کرنا مشکل ہو گا ۔ اس عالم میں زندگی گزارنا ایسا ہو گا جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے جیسے کسی آزاد پرندے کو کسی پنجرے میں بند کر دیا جائے اور وہ پنجرہ بھی بہت تنگ ہو ۔ وہ پھڑپھڑانے لگتا ہے ۔ اسی طریقہ سے اگر تم اس عالم کو دیکھ لو تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور تم کو اس دنیا سے گھن آنے لگے ۔ جس دنیا کو تم سب کچھ سمجھ رہے ہو ۔ جس دنیا پر تم اپنی عزیز متاع روحانیت کی، علم کی، اخلاق کی قربانی کر رہے ہو اس عالم سے تمہیں گھن آنے لگے جس طرح کسی کو ایک منٹ کے لئے کسی گندگی کے بہت بڑے ڈھیر پر کھڑا کر دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور اس کو متلی آنے لگتی ہے ۔ یہ وہ چیز ہے جو قرآن نے، صحف سماوی نے اپنے اپنے طور پر بیان کی ہے ۔ قل متاع الدنیا قلیل ۔ کہیں حطام کے لفظ سے اس کی تعبیر کی، کہیں زرع کے لفظ سے ادا کیا ۔ یہ حطام ہے یعنی چورا ہے ۔ جیسے کھیتی کا چورا ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھوسا ہے ۔ کہیں اس کو زرع

اعجب الکفار نباتہ" کہ کسان کی کھیتی لہلہاتی ہے تو اس کو بڑی بھلی لگی اور اس کی رال ٹپکنے لگی اور اس نے کہا کہ کیسا اچھا یہ چمن ہے جو کھلا ہے۔ کیسی یہ کھیتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد خزاں کا ایک جھونکا چلا یا کسان کی درانتی اس پر چلی تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔

بازیچۂ اطفال ھے دنیا میں آگے

سب سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کی یہ حقیقت منکشف کی کہ دنیا بچوں کا کھیل ہے جیسے ریت پر بیٹھے وہ گھر بناتے ہیں، محل بناتے ہیں، گھروندے بناتے ہیں پھر اپنے ہاتھ سے توڑ دیتے ہیں۔ پھر بناتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور پھر خود ہی توڑ دیتے ہیں۔ بازیچۂ اطفال ہے یہ دنیا ان عقلا کے سامنے' عارفین کے سامنے اللہ نے یہ حقیقت منکشف کی اگر آپ تاریخ پڑھیں تو آپ کو یہ سب کچھ نظر آئے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا،

بغداد میں ایک مرتبہ ہم نے وہ میوزیم دیکھا جو ماہ قبل تاریخ کے مختلف تمدنوں مختلف تہذیبوں وادئ فرات کی تہذیبوں نمرود وغیرہ کا زمانہ اور نہ معلوم کون کون سی سلطنتوں کے آثار تاریخی یادگار کے طور پر سجائے رکھے ہیں۔ پھر اس کے بعد تاریخ کا سفر کرتے کرتے عہد عباسیہ اس کے بعد سلجوقیوں کا زمانہ، تاتاریوں اور مغلوں کا زمانہ، ترکوں کا زمانہ، انگریز کا زمانہ فیصل بن حسین کا زمانہ سامنے آیا۔ آپ یقین مانیں اتنی دیر میں مجھے دنیا کے تغیر و تبدل سے متلی آنے لگی جیسے کوئی کڑوی چیز کھالے یا کوئی اوور ڈوز (OVER DOSE) ہو جائے میں تھک گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ سب تماشا ہی تماشہ ہے۔ یہ وہ سلطنتیں ہیں جن کو زوال کی منزل طے کرنے میں اور ختم کرنے میں ہزار سال کسی کو پانچ سو برس لگے ہیں، مگر ہم کو یہ معلوم ہونے لگا کہ گھنٹوں کا معاملہ ہے جو مخصوص دھوکہ ہے یا خواب تھا جن کو لوگ سمجھے ایک ہزار برس تھا ہم نے ان کا انجام دیکھ لیا۔ ہم ایسی جگہ کھڑے ہیں جہاں انسانیت کا ملبہ ہے اور ملبے پر کھڑے ہیں۔ ایسے ہی ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ یہی دیکھیں گے۔ "قل متاع الدنیا قلیل" ہم جس کو طویل سمجھ رہے ہیں وہ کتنا قلیل ہے۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ھے

خدا کو اس دنیا کو آباد رکھنا ہے۔ اس لئے خدا نے یہ دنیا عام انسانوں پر ایسی منکشف نہیں کی جیسے عارفین پر منکشف کی تھی ورنہ یہ دنیا ویران ہو جاتی اور اس دنیا میں مکان بنانے میں کسی کا دل لگتا اور نہ کارخانہ اور فیکٹری قائم کرنے میں کسی کا دل لگتا۔ یہ حکمت ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آنکھوں سے روپوش کر رکھا ہے ورنہ اگر یہ حقیقت منکشف ہو جائے اور آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے پہلے اگر دکھا دیا جائے تو انسان سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا یا تو اس کا دم نکل جائے گا یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے گا اور انگلی ہلانا اس کا مشکل ہو جائے گا۔ یہ تو انبیاء علیہ السلام کا جگر اور ان کے نائبین کا جگر تھا کہ سب جانتے ہوئے انہوں نے دنیا کے حقوق ادا کئے۔ اپنے عزیزوں کے حقوق ادا کئے، ہمسایوں کے حقوق ادا کئے اور انسانوں کے حقوق ادا کئے۔

رہے تو سلیقے کے ساتھ رہے تو ذوق کے ساتھ رہے۔ چیلنج کو اس نے قبول کیا جو اس سطح سے بلند تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے قناعت کی دولت عطا فرمائی تھی جو بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ وہ بادشاہوں سے اس طرح باتیں کرتے تھے جس طرح مریضوں سے باتیں کرتے تھے۔ وہ ان کو مریض سمجھتے تھے۔ ان پر رحم کھاتے تھے۔ اپنے حال پر خوش تھے۔ ان کو ان بادشاہوں پر ترس آتا تھا کہ غریب کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اس میں تصنع نام کو نہ تھا۔ واقعی ان کے دل میں درد ہوتا تھا۔ دیکھئے ربعی بن عامر سے رستم نے جب پوچھا کہ تم کیسے آئے؟ تو کہا کہ تم کو دنیا کی کال کوٹھڑی سے نکال کر دنیا کی وسیع فضا میں داخل کرنے آئے ہیں۔ میں نے ابوظبی کی ایک تقریر میں کہا کہ اگر وہ اللہ کا بندہ کہتا کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں داخل کرنے آئے ہیں تو مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا۔ یہ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے،

"الدنیا سجن المومن
والجنۃ الکافر"

دنیا تو ایک قفس اور پنجرہ ہے لیکن مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کے اس بندے نے جو پیٹ پر پتھر باندھتا ہوگا اس کے پاس ضرورت کا راشن نہیں ہوگا اور جسم پر چیتھڑے لپیٹے ہوگا کیا دیکھ کر اس نے کہا کہ ہم تم کو دنیا کی کال کوٹھڑی سے نکال کر جس میں تم بند ہو' وسیع فضا میں منتقل کرنے آئے ہیں۔ کیا عرب کی فضا وسیع تھی؟ کیا عرب میں وسائل معیشت محدود ہی نہیں بلکہ تقریباً معدوم نہیں تھے؟ پیٹ بھر کر کھانا بھی لوگوں کو نہیں ملتا تھا۔ جہاں وہ اونٹ کی

ربعی بن عامر نے رستم سے کہا: ہم تم کو دنیا کی کال کوٹھڑی سے نکال کر وسیع فضا میں منتقل کرنے آئے ہیں۔

کھال کے بنے ہوئے خیموں کے اندر اور مٹی کے بنے ہوئے جھونپڑوں کے اندر رہتے تھے۔ جہاں ان کو نیا شکار مل گیا یا اپنے ہی اونٹ کو ذبح کر لیا تو گویا ان کی عید ہو گئی۔ اس دن معلوم ہوتا تھا کہ رزق کے دروازے کھل گئے۔ کیا دیکھ کر اس اللہ کے بندے نے کہا کہ تم اپنی خبر لو۔ تم تو پنجرے میں گرفتار ہو۔ تھوڑے سے دانے ڈال دیے گئے ہیں اور تم اس کو کھا کر خوش ہو رہے ہو۔ ہم آئے ہیں تا کہ تم کو آزادی دلائیں۔ یہ مسلمانوں کی اس وقت کی نظر تھی اور یہ اس وقت کے علمائے ربانی تھے۔ لوگ ان کے پاس جا کر مادیت کا علاج کراتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی بلا میں مبتلا ہیں اور یہ لوگ کیسا عیش کر رہے ہیں اور کیسی جنت میں رہ رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مقولہ ہے:

"الجنۃ فی صدری"

میری جنت میرے سینے کے اندر ہے اس لئے کہ ان کو اللہ پر بھروسہ تھا۔ وہ کسی چیز سے ڈرتے نہیں تھے۔ ہر وقت شکر کا غلبہ تھا۔ نماز میں ان کو لذت اور دعا میں ان کو اطمینان رہتا۔ عزم کے ساتھ رہے۔ اپنی صلاحیتوں کو انہوں نے استعمال کیا۔ جس شہر میں رہے جس محلے میں رہے اس کو صاف کیا لیکن دل انہوں نے ایک منٹ کے لئے بھی نہیں لگایا اور برابر کہتے رہے:

"اللّٰھم لاعیش الاعیش الآخرہ"

کیونکہ اس کا انجام جانتے تھے اور پھر اس کے بعد انہوں نے تعمیر بھی کی۔ مسجدیں بھی بنوائیں اسلام بھی پھیلایا۔ فتوحات بھی کیں ملکوں کو اللہ کی قلمرو میں شامل بھی کیا۔ نئے نئے علم و فنون وجود میں لائے۔ تاریخ کی انہوں نے ایسی بنیاد رکھی جو آج تک مستحکم ہے۔ یہ سب کچھ کیا لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو آخری منزل نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس دنیا کو ابتدائی منزل سمجھتے تھے۔ اور یہی ہم میں اور ان میں فرق ہے۔

مادیت کے راکب یا مرکب

اس وقت مادیت کا جو جادو تھا وہ جادو وہ لوگ توڑتے تھے جو اس مادیت سے اپنے آپ کو آزاد کر چکے تھے، جو مادیت کے غلام نہیں تھے۔ جن کا یہ خیال تھا کہ مادیت کو انہوں نے تابع کر رکھا تھا۔ وہ مادیت کے طابع نہیں تھے۔ مادیت کے راکب تھے مادیت کے مرکب نہیں تھے۔ آج دراصل فرق یہ ہے کہ مادیت کے ہم مرکب ہیں یا ایسے بے اختیار راکب کہ

"نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"

اور یہ ہماری حالت ہے کہ جیسے کوئی گھوڑا چھوٹ جائے اور اس کا راکب بے اختیار ہو جائے۔ مادیت ہمیں سرپٹ دوڑائے لئے پھرے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس گھوڑے کو کس طرف موڑیں گے اور کس طرح چھوڑیں گے۔ دونوں باتیں ہمارے اختیار میں نہیں۔ خندق میں سے جا کر کود جائے گا۔ کسی کھائی میں چھلانگ لگائے گا۔ سمندر میں کود جائے گا ہمیں پتہ نہیں۔ تو اس وقت ہمارے پورے تمدن کا یہ حال ہے کہ تمدن ہمارے اختیار میں نہیں رہا۔ تمدن کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ مادیت کو ہمیشہ ان لوگوں نے چیلنج کیا اور ان لوگوں کو حلاوت محسوس ہوتی تھی اور ہر وقت جنت میں لوٹتے پوٹتے رہتے تھے۔ دیکھنے والے دیکھتے تھے وہ دنیا میں ہیں لیکن حقیقت میں جنت الفردوس میں تھے اور ایک مرتبہ جوش میں آ کر کہا کہ لوگ میرا کیا لے لیں گے، مجھ سے کیا چھین کرلے جائیں گے۔ میرے عیش کا سامان تو میرے دل کے اندر ہے اس کو کون نکال سکتا ہے۔ بعض عارفوں کا قول سنا ہے کہ

"خدا کی قسم اگر دنیا والوں کو
معلوم ہو جائے کہ ہم کس عیش
میں کس مزے میں ہیں تو ہم کو
بیٹھنے نہ دیں، تلواریں لے کر

جس طرح ملکوں پر حملہ کرتے ہیں، اسی طرح ہم پر حملہ کریں۔ تھوڑی سی جگہ جو ہم نے بنائی ہے ایک گوشہ میں یا مسجد کے کونے میں ہمیں یہاں بھی بیٹھنے نہ دیں۔ سمجھیں کہ یہاں کوئی خزانہ گڑا ہوا ہے یہ جو فرش پر بچھا کر بیٹھا ہے اتنا مگن ہے کہ اس کو نہ بھوک معلوم ہوتی ہے نہ پیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کی جائے نماز کے نیچے ایک سوتا ہے، کنکشن ہے جہاں سے رزق ملتا ہے، جہاں سے فرحت ابلتی ہے تو وہ ہمیں اٹھا دیں اس مصلے سے اور ہم سے کہیں کہ جنگل کی راہ لو اور بیٹھ کر وہاں کھدائی کریں جیسے پٹرول کی کھدائی ہوتی ہے۔

قناعت کا جوہر

حضرات اصل چیز کا مقابلہ وہ علما کر سکتے ہیں جن کے اندر قناعت کا جوہر ہو جو کسی دام میں نہ تو آ سکیں اور کہیں

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

جاؤ کسی اور کو آزماؤ ہم بکنے والے نہیں ہیں۔ ہم سکوں کے عوض یا تمہارے عہدوں کے عوض کرسی کے عوض یا عزت کے عوض ہم اپنا ضمیر بیچ ڈالیں۔ اپنا سکون قلب بیچ ڈالیں۔ یہ نہیں ہو گا۔ اس کی امید نہ کرو۔ چنانچہ آپ عارفین کو دیکھیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید کو بادشاہ دہلی نے پیغام دیا کہ حضرت مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتے۔ کبھی تو خدمت کا موقع دیں کبھی تو فرمائش کریں اور ہزار روپے کی رقم پیش کرنا چاہی تو فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قل متاع الدنیا قلیل"

اس دنیا میں سے ایک براعظم ایشیا ہے

اور اس میں سے ایک ملک ہندوستان ہے۔ ہندوستان میں سے تھوڑا سا بچا کھچا آپ کے پاس ہے۔ اب اگر اس میں بھی کمی کر دوں۔ جو تھوڑا سا رہ گیا ہے اس میں بھی حصہ بٹاؤں یہ میں نہیں کر سکتا۔"

تو انہوں نے بالکل دل سے یہ بات کہی تھی۔ واقعات تو بہت ہیں۔

برہان پور میں ایک بزرگ تھے۔ ان کے پاس عالمگیر نے جانا شروع کر دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک جگہ میں نے اپنے لئے انتخاب کی تھی۔ اگر بادشاہ کو وہ بھی پسند آ گئی تو میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔

افسوس ہے کہ بزرگان دین کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کی اتباع شریعت کا جذبہ، اتباع سنت کا جذبہ، ان کی شب بیداری ان کا قرآن و حدیث سے شغف یہ سب چیزیں تو بالکل منفی ہو گئیں۔ ان کا ذکر نہیں آتا بقول مصنف تاریخ گجرات (مولانا حکیم سید عبدالحئی) جس بزرگ کی سوانح پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قانون قدرت توڑنے کے سوا ان کا کوئی محبوب مشغلہ نہیں تھا۔ اور وہ عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ پر ہر وقت اپنی حکومت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کو مارا۔ اس کو گرایا۔ اگر مرا ہوا ہے تو زندہ کر دیا۔ اگر زندہ ہے تو مار دیا۔ کشتی ڈوب گئی تو اس کو انگلیوں کے اشارے سے نکال دیا۔ ان بزرگوں کی تاریخیں بڑے غلط طریقے سے لکھی گئیں ہیں۔ یہ حضرات درحقیقت بڑے اہل علم تھے۔ ہو سکتا ہے بعض حضرات سے صحیح حدیث نہ پہنچنے یا حدیث کے علم کی کمی کی وجہ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو گئی ہوں جن کی حدیث سے تائید نہیں ہوتی لیکن عام طور سے یہ حضرات بڑے اہل علم تھے اور علم کے بغیر کسی کو مسند ارشاد پر بٹھا نہیں سکتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة۔"

یہ ہیں نبوت کے چار شعبے جو اللہ تعالیٰ ان کے نائبین کو بطریق نیابت بطریق خلافت عطا فرماتا ہے۔ ایک تو ہے تلاوتِ قرآن جس کا آپ نے نمونہ دیکھا۔ کئی قاریوں نے پڑھ کر سنایا اور ہر جلسہ میں پڑھ کر سنانے کا رواج ہے اور مدرسہ میں حفظ و تجوید کا انتظام ہے اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تا قیامت رہے گا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون اس کے بعد بعض آیتوں میں آتا ہے یتلوا علیهم آیاته ویعلمهم الکتٰب۔ تعلیم کتاب و حکمت کو مقدم کیا ہے اور یہ سیاق و سباق کے مطابق ہے۔ یہ بڑے اہل نظر کا کام ہے۔ وہ بتائے گا کہ یہاں کیوں مقدم کیا ہے اور یہاں کیوں مؤخر کیا ہے۔ سورۃ کا مرکزی نکتہ کیا ہے۔ یہ تو کام کرنے کا ہے۔ کتاب کی تعلیم یہ علوم دینیہ ہیں۔ قرآن و حدیث ہے۔ تفسیر ہے۔

حکمت سے مراد اخلاق

حکمت سے مراد اخلاق فاضلہ ہیں، جیسا کہ ہمارے استاذ اور اپنے زمانے کے محقق مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق ہے کہ حکمت کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں آیا ہے اس سے مراد اخلاق ہے۔ ولقد آتینا لقمان الحکمة۔ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اخلاق ہی اخلاق ہے۔ پہلے حکمت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پھر جو اس کی انواع بیان کی ہیں وہ سب اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورہ اسریٰ میں سارے اخلاق بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ذالك مما اوحی الیك ربك من الحکمة۔

اے پیغمبر یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں۔

یہاں اخلاق فاضلہ بیان کرنے کے بعد حکمت کا لفظ استعمال ہوا۔ معلوم ہوا کہ حکمت سے مراد اخلاق ہے۔ اخلاق فاضلہ۔

تزکیہ کے بغیر تعلیم

کتاب و حکمت ناقص ہے۔

اس کے بعد نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔ اخلاق رذیلہ کو نکال دینا ہے۔ حسد کو قہر کو دور کرتا ہے۔ حب جاہ اور حب دنیا کو نکالنا ہے۔ اس کے بجائے اللہ کی محبت آخرت کا جنت کا شوق دل میں بٹھانا ہے۔ کوئی بھی جامعہ یا دارالعلوم ہو اس کا مقصد ان فضلا کو تیار کرنا ہے جو تلاوت تعلیم کتاب تعلیم حکمت اور تزکیہ چاروں شعبوں میں انبیاء کرام کی نیابت کا حق ادا کر سکیں۔ تلاوت و حکمت ناقص رہے گی جب تک کہ تزکیہ اس کے ساتھ نہ ہو یعنی ہمارے علماء نفسوں کی غلامی کے پھندے سے نکل چکے ہوں۔ ان کو دولت اور عزت کی بڑی سے بڑی مقدار اپنے اصولوں سے اپنی دعوت سے اپنے معیار سے اپنی تعلیم سے اپنی زندگی سے نہج سے نہ ہٹا سکے۔ آج عرب و عجم میں کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اگر کمی ہے تو زاہدانہ زندگی اور قناعت کی۔ آدمی وہاں جھکتا ہے جہاں وہ چیز اس کو ملے، جو اس کے پاس نہ ہو۔ یہ قاعدہ ہے کہ میرے پاس اگر کوئی چیز نہیں ہے تو میں مرعوب ہوں گا، لیکن میرے پاس اگر انیس بیس کے فرق کے ساتھ وہ چیز موجود ہے تو میں مار نہیں کھاؤں گا۔ میں سر نہیں جھکاؤں گا۔ تو اب جو لوگ مادیت پرست ہیں مادیت کے زخم خوردہ ہیں، یہ جب علماء کے پاس جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کسی چیز میں بھی یہ ہم سے کم نہیں ہیں۔ اور پھر ان کے گھروں کا نقشہ دیکھتے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی اور معاشرت دیکھتے ہیں۔ معیار زندگی دیکھتے ہیں تو متاثر ہونے کی بجائے اُن کی

بداعتقادی بڑھ جاتی ہے۔ آج پاکستان میں ذہ علماء تیار رہوں جو یتلوا علیھم آیاتہ ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم پر عامل ہوں جو نبوی وراثت کے حامل ہوں۔ عصر حاضر کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب ہے مادیت سے بالاتری مادیت کی سطح سے بلند ہونا اور یہ ثابت کرنا کہ مادیت ہم کو متاثر نہیں کر سکتی اور ہم مادیت کے غلام نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم طیبات کو اپنے اوپر حرام کر لیں۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق۔ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔

جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ہم مباحات سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ ہم اللہ کی نعمتوں سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ ہم اگر لذیذ کھانا کھا سکتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کو بے لذت نہ بنائیں جیسے بعض غالی صوفیوں کے بارے میں سنا ہے کہ سالن میں پانی اوپر سے ڈال دیا تاکہ بے مزہ ہو جائے۔ پڑوسیوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں بلکہ بے لذت بنانے کے لئے بہت سا نمک ڈال دیا۔ بے نمک کے کھا رہے ہیں تاکہ کوئی لذت حاصل نہ ہو۔ یہ تزکیہ اسلام کا تزکیہ نہیں۔ شریعت اس کی ہمت افزائی نہیں کرتی۔ آپ کو اگر متوسط درجے کا خوشذائقہ کھانا میسر ہے تو ضرور اللہ کا شکر ادا کریں اور ہر لقمہ پر شکر ادا کریں لیکن "ہوس ہل من مزید" یہ جو آج ہر طبقہ میں آ گئی ہے۔ سرمایہ کی کوئی مقدار، عزت کی کوئی مقدار اس کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اور "ہل من مزید" کا نعرہ بلند ہوتا ہے علماء اس سے بالکل ممتاز، ممیز اور نمایاں ہوں۔

چند بوریہ نشینوں کی ضرورت!

آج پاکستان کو بچانے کے لئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے جن کو کراچی سے اسلام آباد تک اور اسلام آباد سے فیصل آباد تک کہتا چلا آ رہا ہوں ان میں ایک بڑا عنصر اور ایک بہت بڑی طاقت علماء کی زاہدانہ قناعت والی اور خودداری والی زندگی ہے۔ علماء ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں کہ یہ معلوم ہو کہ کسی اور ہی طبقہ کے لوگ ہیں۔ یہ وراثت انبیاء کے وارث ہیں۔ یہ نائبین انبیاء یہ مادیت کے زخم خوردہ اور اس کے قتیل و شہید نہیں۔ جن کے پاس جا کر دنیا کی بے حقیقتی ظاہر ہو اور کم سے کم یہ معلوم ہو کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ جن کو سو بار غرض ہو وہ یہاں آئے۔ ہم کسی کے دروازہ پر نہیں جاتے۔ اگر جاتے ہیں تو دین کی دعوت لے کر جائیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جائیں گے۔ کسی فریضہ کسی سنت کے احیاء کے لئے جائیں گے۔ اپنی غرض کے لئے کسی کی سفارش کے لئے نہیں جائیں گے۔

اس خلا کو کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی

یہ پاکستان کی شدید ترین ضرورت ہے۔ اس خلا کو کوئی اور چیز پُر نہیں کر سکتی۔ تصنیف و تالیف، خطابت تحقیق سیاست سحر بیانی کوئی چیز اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔ یہاں کچھ آدمی ایسے چاہئیں جن کے پاس طاقت والے سیاست والے آنے پر مجبور ہوں اور اپنے دردِ دل کی دوا پائیں۔ اور ان کو محسوس ہو کہ خاصانِ خدا کیسے ہوتے ہیں۔ ہم بالکل بے حقیقت انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر تزکیہ و احسان کی آپ کے نزدیک ضرورت نہیں تو اس کی جگہ پر کوئی چیز ایسی ہو جو وہ کام کرے جو وہ کر رہی ہے۔ یعنی جہاں آ کر لوگوں کو اپنے اخلاق کی خرابی کا احساس ہو۔ اپنی انسانی پستی اندرونی بیماری کا کچھ احساس ہو۔ جہاں آ کر ایک نئی طاقت ایک نئی روح آدمی کو حاصل ہو۔ میں نے عربی شاعر حطیئہ کے اس شعر پر اس مضمون کو ختم کیا تھا۔

اقلوا علیھم لا أبا لابیکم
من اللوم أو سدوا المکان الذی سدوا

"بس بہت ملامت ہو چکی۔ ان کو تم نے بہت مٹی میں ملایا اور بہت ذلیل کیا۔ اب ملامت کو کم کرو۔ اس جگہ کو بھر دو جس جگہ کو انہوں نے بھر رکھا تھا۔"

آپ ایک ڈاکٹر کا شفاخانہ بند کرتے ہیں تو خدا کے لئے کوئی دوسرا شفاخانہ اس سے بہتر تو قائم کیجئے۔ شفاخانہ تو آپ نے بند کر دیا اور کوئی دوسرا شفاخانہ قائم نہیں کیا اور اس کی بجائے آپ نے سبیل لگا دی۔ اس کے بجائے آپ نے کتب خانہ کھول دیا۔ کتب خانہ بہت مبارک لیکن وہ شفاخانہ کی جگہ نہیں لے سکتا — شفاخانہ کی جگہ شفاخانہ ہی لے سکتا ہے۔ طبیب کی جگہ طبیب ہی لے سکتا ہے۔ اس زمانہ کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب ہے حقیقی، صحیح، شرعی مسنون روحانیت تزکیۂ نفس جس میں کوئی چیز خلاف شریعت نہ ہو۔ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی نظیر کتاب و سنت میں اور عہد نبوی اور عہد صحابہ رض میں نہ مل سکے۔ ایک طرف تو وہ راسخ فی العلم ہوں اور ایک طرف راسخ فی الدین ہوں۔ بس میں اسی پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس راستہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ماہانہ مجلسِ ذکر

حضرۃ مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم مسجد خضراء سمن آباد لاہور میں ۳ فروری ۸۰ء بروز اتوار بعد نماز مغرب ماہانہ مجلس ذکر کرائیں گے۔

دعوت عام ہے۔

تحریر: محمد اسحٰق

اللہ سے محبت اور اُس کے حکموں کو ماننے میں ہی انسان کی فلاح مضمر ہے

ہر انسان میں محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے مگر محبت کے درجات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اولاد کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ یہ ایک فطرتی تقاضا ہے۔ اسی طرح والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی خاطر ہر چیز قربان کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بھائی بھائی میں محبت ہوتی ہے اور وہ اس کے لیئے ہر قربانی دینے کے لیئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر انسانوں میں محبت کا مادہ نہ ہو تو دنیا میں امن نہ ہو جوڑ نہ ہو بلکہ انتشار اور توڑ پایا جائے مگر ایسا نہیں ہے۔ بات بالکل اس کے برعکس ہے۔ ایک تو یہ ہوا کہ انسانوں کو انسانوں کے ساتھ محبت ہے جس کا ہم روز افزوں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور دوسرا محبت کا درجہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہے جس نے حضرت انسان کو تخلیق کیا، بنایا۔ ایسا بنایا کہ بنانے کا حق ادا کر دیا۔ وہ بنانے والا ایسا ہے کہ اس کے مثل کوئی نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے، ارفع ہے، اعلیٰ ہے، تمام قوتوں کا مالک ہے، رحم کرنے والا ہے، احسان کرنے والا ہے، رزق دینے والا ہے، بے مانگے دینے والا ہے، سب کام بنانے والا ہے، اور عدل و انصاف کرنے والا ہے۔ وہ ایسا عظیم ہے جس نے تمام مخلوقات کو بنایا اور صرف انسانوں کو ہی نہیں اتنا بڑا بغیر ستون کے آسمان، کنارہ نہ ملنے والا سمندر۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کو بھی بنانے والا وہی ایک واحد اللہ ہے جو بے نیاز ہے جس کا ہمسر کوئی نہیں اور اس کے شان کا دوسرا نہیں۔ جب یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی کہ اس جیسے خوبیوں والا اور شان والا کوئی نہیں تو پھر اس انسان کو بھی چاہیئے وہ ان سب سے زیادہ اپنے بنانے والے کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور محبت رکھے کیونکہ دنیاوی جتنی بھی محبتیں ہیں صحیح ہیں مگر صرف قبر تک ساتھ دینے والی ہیں اور اللہ سے محبت کا تعلق تو قبر میں، حشر میں اور یوم میزان میں پل صراط پر غرضیکہ ہمیشہ ہمیشہ والی زندگی میں قائم رہنے والا ہے۔ اللہ سے محبت کیا ہے؟ اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید سے محبت، قرآن سے محبت، اللہ کے بھیجے ہوئے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے نیک اعمال کرنا ہے۔ اگر دیکھا جائے اللہ کے دربار میں کسی چیز کی قیمت ہے تو وہ نیک اعمال کی ہے۔ اسی لیئے اللہ تبارک تعالٰی نے قرآن پاک میں فرمایا:

> (ترجمہ) جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔"

یعنی اللہ کے حکموں کو مانا اور اپنی پوری زندگی اللہ کے بتائے ہوئے قانون کی اطاعت کرتے ہوئے گزاری اور تقوٰی اختیار کیا اور اپنے آپ کو لہو و لعب سے دُور رکھا تو پھر اس زندگی کے بعد جو دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے اس میں رب العزت اسے راحت، سکون اور چین دیں گے اور جنت میں داخل کریں گے جو بہت بڑی کامیابی کی نشانی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی کتاب "شوقِ وطن" میں لکھتے ہیں کہ:

> ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت میں ادنٰی درجے کا جنتی وہ ہوگا جس کے اپنے خدام، بیویاں، باغات، سامان مسرت اور آسائش کے اسباب ایک سو برس کی مسافت

تک میں ہوں گے۔" (مشکوٰۃ)

اندازہ کیجئے کہ اللہ پاک اپنے بندوں کو وہاں پر کیا کچھ دینے والے ہیں اور وہ ایسی چیزیں ہیں کہ نہ ختم ہونے والی ہیں اور زندگی بھی وہاں پر اتنی لمبی ہوگی کہ نہ ختم ہونے والی ہوگی۔ اور بزرگوں سے اس زندگی کے بارے میں ایسا سنا ہے کہ اس زمین و آسمان کے درمیان جو خلا ہے اسے سرسوں کے دانوں سے پُر کر دیا جائے اور آسمان سے ایک چڑیا آئے اور ایک دانہ اپنی چونچ میں اوپر لے جائے، پھر ایک ہزار سال کے بعد آئے اور پھر ایک دانہ اپنی چونچ میں پکڑ کر لے جائے حتیٰ کہ سرسوں کے سب دانے ختم ہو جائیں مگر یہ زندگی ختم نہ ہوگی۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ والی اور راحت والی زندگی ہمیں کیسے میسّر آئے گی اور ہم کیسے اس کے حقدار ہوں گے اس کے بارے میں میں نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے یعنی تخلیق کرنے والے کے حکموں کو ماننا ہوگا۔ دیکھا جائے تو ہم جس کی وجہ سے امّتِ محمدیہؐ کہلاتے ہیں اور مسلمان ہیں وہ کلمہ طیّبہ ہے:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس کلمہ میں ہم نے وعدہ اور اقرار کیا ہے کہ ہم اللہ کے حکموں کو مانیں گے اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقوں کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ سب سے پہلا حکم اللہ کا کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ نماز ہے اور نماز ہی پورے دین کی بنیاد ہے۔ اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور نماز جنّت کی کنجی ہے اور نماز ہی سے انسان پاک و صاف رہتا ہے اور دوسری عبادات کرنے کو بھی دل چاہتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوذر غفاریؓ تھے۔ ایک درخت کی ٹہنی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا اور ہلایا جس کی وجہ سے پتے جھڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ دیکھا آپؓ نے کہ جیسے اس درخت کے پتے ٹہنی ہلنے سے گرے ہیں اسی طرح نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ جھڑتے ہیں۔

یعنی کہ جو نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں اور جس کے بارے میں حبیبِ ربّ العلمین نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو بتائیے اس کے پڑھنے والے کا کیا مقام ہوگا۔ امام نوویؒ اپنی کتاب "ریاض الصالحین" میں لکھتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب آدمی گھر سے اسی نیّت کے ساتھ وضو کر کے مسجد جاتا ہے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے نماز پڑھوں گا اور اس کے علاوہ کوئی اور غرض نہ ہو تو گھر سے مسجد تک جتنے بھی قدم اٹھتے ہیں ہر قدم پر اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک برائی مٹتی ہے اور اس کا ایک ایک درجہ بلند ہوتا ہے جب یہ مسجد میں داخل ہوتا ہے نماز پڑھتا ہے۔ جب تک وہ مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اللہ کا ذکر و اذکار کرتا رہتا ہے فرشتے باقاعدہ اس کے لئے رحمت، مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں تاوقتیکہ اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔"

اگر غور کیا جائے اور سوچا جائے کہ فرشتوں کو بھی تو اللہ پاک ہی بھیجنے والے ہیں، کیونکہ وہ ہر کام اللہ کی اطاعت میں کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کرتے تو جب بندہ اللہ سے محبت رکھے گا تو اللہ کی ساری پیدا کی ہوئی مخلوق اس بندے سے محبت کرے گی۔ آگ، پانی، ہوا اور مٹی سب کے سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنا اثر دکھاتے ہیں نفع اور نقصان بھی اللہ کے حکم سے دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں جو گذشتہ نبیوںؑ کے واقعات و حالات اور قصا ئص بیان کئے گئے ہیں یہ سب ہماری عبرت اور ہمیں سمجھانے کے لئے، ربّ العزت کو پہچاننے کے لئے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے ہیں۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ پانی ڈبونے کی خاصیت رکھتا ہے۔ ہم اخباروں میں روزانہ خاص طور پر گرمیوں میں تو آئے دن دریائے راوی پر نہاتے ہوئے ڈوبنے کے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مگر اللہ پاک تو وہ ذات ہے "اِنَّ اللّٰہَ علیٰ کل شیءٍ قدیر" بیشک اللہ تعالےٰ تو ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ یہی پانی لوگوں کو ڈبوتا ہے لیکن حضرت موسیٰؑ اور ان کے بارہ قبیلوں کو پانی نے راستہ دے دیا۔ اسی پانی نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو ڈبو دیا، غرق کر دیا۔ آگ کا واقعہ بھی قرآن پاک میں ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکوا دیا مگر اللہ تبارک تعالےٰ نے آگ کو سلامتی والا بنا دیا۔ اور ہوا کا واقعہ بھی قرآن پاک میں ہے جب کہ مشرکوں، یہودیوں اور دیگر قبائل نے اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا اور دیکھا جائے تو اللہ کے منصوبے کے آگے کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات و احوال کا پتہ چل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے سلمان فارسیؓ کے بتائے ہوئے طریقہ پر خندق کھدوائی جو کہ غزوۂ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سب اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور کئی دن تک یہاں کا محاصرہ کئے رکھا۔ آخر کار اللہ پاک کی رحمت جوش میں آئی اور ان دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (باقی ص ۲۶ پر)

مولانا مودودی کے ساتھ
میری رفاقت کی سرگذشت
اور اب میرا موقف

★ —— محمد منظور نعمانی

چار بنیادی اصطلاحوں سے متعلق مولانا مودودی صاحب کے نقطۂ نظر کے بارے میں، جو کچھ یہاں تک لکھا گیا ہے وہ عوام یعنی غیر علماء کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے، جن بندوں کو خدا نے کتاب و سنّت کے علم کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا ہے اور جنکا مبلغ علم صرف اردو کی کتابیں نہیں ہیں اور جو علماء کی اصطلاحات سے واقف ہیں وہ حضرات [illegible] پر اس طرح غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کی اس تحقیق و ریسرچ کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ "الٰہ" کے معنی اور "لا الٰہ الّا اللہ" کے صحیح مفہوم و مدّعا کو امّت میں تواتر حاصل نہیں رہا، صدیوں سے اس کلمہ شریف کے معنی غلط یا ناقص سمجھے جاتے رہے۔ اس نتیجہ کی سنگینی کو ہمارے عوام تو شاید نہ سمجھ سکیں لیکن اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا صرف امکان تسلیم کر لینے سے بھی دین کی پوری بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ کسی صاحب علم کو اس میں شک نہ ہوگا کہ ہم کسی عقیدہ اور حقیقت پر ایمان لانے کے اسی صورت میں مکلّف ہیں جبکہ وہ تواتر کے ساتھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت و منقول ہو — بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ عہد نبوی یا قرن اوّل کے بعد کی چند صدیاں یا کوئی ایک صدی یا اس سے بھی کم مدت ایسی گزری ہے جبکہ امّت میں "لا الٰہ الا اللہ" کا مفہوم و مدعا صحیح نہیں سمجھا جاتا تھا، غلط یا ناقص سمجھا جاتا تھا، تو تواتر باقی نہیں رہتا، تواتر کے لئے بلا انقطاع تسلسل ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا مفہوم اور اس کی حقیقت اور اسی طرح دوسرے بنیادی ایمانی حقائق کا علم صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل ہوا تھا اور صحابہ کرامؓ سے وہی علم تابعین نے حاصل کیا اور ان سے ان کے تلامذہ تبع تابعین نے اور یہ سلسلہ الی یومنا ھٰذا حاملین قرآن اور حاملین دین میں اسی طرح جاری ہے، الفاظ و تعبیرات کے فرق کے ساتھ وہی کتب تفسیر اور علماء محققین کی کتابوں میں ہے۔ الغرض صحابہ کرامؓ سے ہم تک صرف "لا الٰہ الّا اللہ" کے الفاظ ہی نہیں پہنچے ہیں بلکہ ان کا مفہوم و مدّعا بھی تواتر کے ساتھ پہنچا ہے جس طرح "صلوٰۃ" و "زکوٰۃ" کے صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ ان کی حقیقت اور ان کا مفہوم بھی تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ الٰہ و ربّ اور دین و عبادت کے معنی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا صحیح مفہوم و مدعا زمانہ نزول قرآن کے بعد کی صدیوں میں نہیں سمجھا گیا، غلط یا ناقص سمجھا جاتا رہا، پورے دین کو غیر مستند اور نامعتبر قرار دینا اور ملحدین کے لیے دینی حقائق کی نئی نئی تشریحات و تحریفات کا دروازہ کھول دینا ہے — لیکن مودودی صاحب کو جتنا کچھ میں جانتا ہوں اس کی بنا پر میرا

گمان ہے کہ انہوں نے سوچ سمجھ کے دیدہ و دانستہ یہ انتہائی غلط اور گمراہ کن بات نہیں کہی ہے ان سے یہ غلطی غیر شعوری طور پر ہوتی ہے۔

خود راقم سطور کا واقعہ یہ ہے کہ جن دنوں میں چار بنیادی اصطلاحوں سے متعلق مولانا مودودی صاحب کا یہ مقالہ "ترجمان القرآن" میں قسط وار چھپ رہا تھا جو بعد میں قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں "نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ "جماعت اسلامی" کا پہلا سال تھا تو میں نے مودودی صاحب کی اس تحقیق و تشریح سے اختلاف کیا تھا جو انہوں نے اس مقالہ میں کی تھی، اور اس اختلاف کا ذکر اپنے اس مضمون میں بھی کر دیا تھا جو مولانا محمد علی کاندھلوی کے اعتراضات اور شبہات کے جواب میں میں نے لکھا تھا، جس کا عنوان تھا "جماعت اسلامی کی حقیقت اور ہمارے کام کی نوعیت — بعض شبہات کا جواب" (میرے اس جوابی مضمون کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) یہ پہلے الفرقان میں شائع ہوا تھا اس کے بعد رجب یا شعبان ۶۱ھ کے "ترجمان القرآن" میں بھی شائع ہوا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ میرا قیام مولانا مودودی صاحب کے ساتھ اس وقت کے جماعت کے مرکز "دارالاسلام" میں تھا — اسی سلسلہ کی اور اسی زمانہ کی یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن ہم ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ "لا الٰہ الا اللہ" کی جو تشریح آپ کرتے ہیں کیا پہلے کبھی کسی عالم یا مصنف نے یہ تشریح کی ہے۔ (واضح رہے کہ اسوقت میرا یہ سوال اعتراض یا کسی بحث کی نیت سے نہیں تھا بلکہ استفسار ہی کے لئے تھا) موصوف نے فرمایا کہ

"بس شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہیں جو کافی دُور تک صحیح چلتے ہیں لیکن قریب پہنچ کر مڑ جاتے ہیں۔"

مودودی صاحب کے اس جواب کا آخری خط کشیدہ جملہ (لیکن قریب پہنچ کر مڑ جاتے ہیں) مجھے ایسا یاد ہے کہ میرے لئے اس پر قسم کھانا جائز ہے کہ ان کے الفاظ یہی تھے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خود میرا یہ واقعہ ہے کہ میں قرآن کی ان چار بنیادی اصطلاحوں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی مودودی صاحب کی خاص تشریح سے متفق نہیں تھا۔ لیکن مجھے اسوقت بلکہ اس کے بعد بھی ایک طویل مدت تک اس کا احساس و شعور نہیں ہوا کہ یہ صرف علم و تحقیق کی ایک غلطی نہیں ہے بلکہ اس سے ملحدین کے لئے قرآنی نصوص اور دینی اصطلاحات کی ملحدانہ تشریحات و تحریفات کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ ان کے لئے ایک بڑی سند فراہم ہو جاتی ہے۔

الغرض میرا خیال ہے کہ جس طرح اس وقت مجھے اس کا احساس و شعور نہیں ہوا اسی طرح غالباً مودودی صاحب کو نہیں ہوا ہوگا —— لیکن بعد میں جب اس عاجز کو اس غلطی کی اس سنگینی اور خطرناکی کا احساس ہوا تو میرے ہی مشورے پر "الفرقان" میں بھی اس سلسلہ میں لکھا گیا اور ایک دفعہ سے زائد لکھا گیا، اور کئی ایک دوسرے حضرات نے بھی لکھا — پھر اب سے چند ہی مہینے پہلے رفیق محترم مولانا علی میاں نے بھی اپنے خاص انداز میں بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ اسی سلسلہ میں لکھا، لیکن افسوس ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے اس کے بعد بھی اس سنگین غلطی کی اصلاح و تدارک کی ضرورت نہیں سمجھی —— غالباً اس میں بڑا دخل اس بات کو بھی ہے کہ ان کے فیض یافتہ فدائیین میں ایسے اصحابِ قلم کی اچھی خاصی تعداد ہے جنہوں نے شاید فریضہ سمجھ لیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مولانا مودودی کی کسی غلطی کی نشاندہی کرے تو وہ اس کا بھرپور جواب دے کر مولانا موصوف کے لئے اطمینان کا سامان فراہم کر دیں۔

آخر میں صرف ایک بات اور عرض کر کے "چار بنیادی اصطلاحوں" سے متعلق اس سلسلۂ گفتگو کو ختم کرنا ہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تصنیف میں مصلحین و مجددین کے تذکرہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ سرسید احمد خاں دہلوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کا بھی ذکر کیا تھا۔ مولانا مودودی نے شوال ۱۳۵۹ھ کے 'ترجمان القرآن' میں اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا:

"سچ تو یہ ہے کہ ۵۷ھ کے بعد سے اب تک جس قدر گمراہیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں ان سب کا شجرۂ نسب بالواسطہ یا بلاواسطہ سرسید کی ذات تک پہنچتا ہے۔ وہ اس سرزمین میں تجدد کے امام اوّل تھے اور پوری قوم کا مزاج بگاڑ کے دنیا سے رخصت ہوئے۔ رہے مولوی عبداللہ چکڑالوی

مولانا موصوف نے فرمایا: بس شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہیں جو کافی دور تک صحیح چلتے ہیں لیکن قریب پہنچ کر مڑ جاتے ہیں۔

تو اُن کو قرآن کا بڑا عالم کہنا قرآن پر ظلم ہے۔"

(ترجمان القرآن
بابت شوال ۱۳۵۹ھ)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ سرسید احمد خاں کے حالات و خیالات سے جو لوگ واقف ہیں اور جنہوں نے ان کی "تفسیر قرآن" کا مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان کے جس رویّہ کی بنا پر مولانا مودودی صاحب نے اُن پر یہ سخت تنقید کی ہے اور ۱۸۵۷ کے بعد پیدا ہونے والی ساری گمراہیوں کا ان کو ذمہ دار قرار دیا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے قرآنی الفاظ و دینی اصطلاحات مثلاً ملائکہ۔ جنات۔ جنت۔ جہنم وغیرہ کی وہ تشریحات کیں اور وہ مطالب و مفاہیم بیان کئے جو اُن سے پہلے علمائے امت اور ائمہ دین میں سے کسی نے بیان نہیں کئے تھے — گویا انہوں نے بھی ان قرآنی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کر کے یہی دعویٰ کیا کہ ان کا صحیح مفہوم امت میں صدیوں سے صحیح نہیں سمجھا جا رہا تھا۔ صحیح مفہوم و حقیقت وہ ہے جو میں دلائل کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ الٰہ، رب، دین اور عبادت جیسی دین کی بنیادی اصطلاحات اور صلوٰۃ، زکوٰۃ، ملائکہ، جنات، جہنم جیسے قرآنی الفاظ و کلمات سے متعلق یہ سمجھنا اور لوگوں کو سمجھانے اور باور کرانے کی کوشش کرنا کہ صدیوں سے جمہور علماء امت ان کا جو مطلب سمجھتے رہے ہیں وہ غلط یا ناقص تھا اور ان کی نئی تشریحات کرنا، ہزاروں گمراہیوں اور دینی فتنوں کی جڑ بن سکتا ہے۔[۱]

[۱] واضح رہے کہ کسی قرآنی آیت یا کلمہ سے متعلق کوئی نیا نکتہ بیان کرنا یا کسی نئے مسئلہ کا استنباط و استخراج کرنا اور بات ہے اور یہ قرآن پاک کی *

ایسی خطرناک غلطی

کیوں ہوئی؟

میں نے اس پر بہت غور کیا کہ مودودی صاحب سے ایسی خطرناک غلطی کیوں ہوئی؟ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ انہوں نے بیسویں صدی کے اس دور میں جبکہ ساری دنیا میں سیاست اور سیاسی اقتدار کے مسئلہ نے دوسرے تمام مسائل سے زیادہ قیامت اور جنت و دوزخ کے مسئلہ سے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی اور ہمارے اس برصغیر غیر منقسم ہندوستان میں کانگریس اور مسلم لیگ کی متقابل اور متحارب سیاسی تحریکیں زور شور سے چل رہی تھیں گویا ایک سیاسی جنگ عظیم برپا تھی اور قریباً ہر طبقہ کے دلوں و دماغوں پر سیاست ہی سیاست چھائی ہوئی تھی، تو اس سیاست زدہ زدہ فضا اور ماحول میں مودودی صاحب نے اپنی دعوت و تحریک کو خاص کر جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں میں وقیع اور مقبول بنانے کے لئے ضروری سمجھا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور عقیدۂ توحید کی

* بقیہ حاشیہ کالم گذشتہ: صفت "لا تنقضی عجائبہ" کا تقاضا ہے۔ اور الٰہ، رب، دین، عبادت جیسی بنیادی اصطلاحات اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اور قرآن کی دعوت توحید یا صلوٰۃ زکوٰۃ جیسے اصطلاحی قرآنی کلمات کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ زمانۂ نزول قرآن کے بعد کی صدیوں میں انکا مفہوم صحیح طور پر نہیں سمجھا گیا اور اب چودھویں صدی میں جو بیان کیا جا رہا ہے وہ صحیح مفہوم ہے بالکل دوسری بات ہے اور اس سے یقیناً اہل زیغ کے لئے ملحدانہ تحریفات کا دروازہ کھلتا ہے۔

اور اس طرح اسلام کی ایک نئی سیاسی تشریح کی جائے[۱] اور اسی کو دعوت کی بنیاد بنایا جائے۔ اس کے لئے ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ عقیدۂ توحید سے تعلق رکھنے والی خاص بنیادی اصطلاحوں (الٰہ۔ رب عبادت۔ دین) کی وہ نئی سیاسی تشریح کریں — یہ واقعہ ہے کہ مودودی صاحب بڑے ذہین اور بڑے محنتی آدمی ہیں۔ انہوں نے عربی لغت کی کتابیں کھنگال کے اور قرآن سے بھی بہت سی آیتیں نکال کے ان بنیادی اصطلاحات کی نئی سیاسی تشریح پر ایک پورا مقالہ لکھ کر اپنے نزدیک اپنا مدعا ثابت کر دیا۔ اسی کے ساتھ انہیں خود خیال آیا یا کسی نے توجہ دلائی کہ ان بنیادی اصطلاحوں کا جو نیا مفہوم انہوں نے بیان کیا ہے وہ کسی دور کے کسی مفسر قرآن، کسی شارح حدیث اور کسی محقق عالم و مصنف نے نہیں لکھا —— اور تنہا یہ بات عام مسلمانوں کے لئے اُن کے اس دعوے اور اس تشریح کو ناقابل قبول قرار دینے کے لئے کافی ہے، تو انہوں نے اس کے دفعیہ اور پیش بندی کے لئے اس مقالہ یا رسالہ کا ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا (جس کا بڑا حصہ انہی کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں) جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی ان چار بنیادی اصطلاحات کا مفہوم و مطلب اور اس کی دعوتِ توحید کو زمانۂ نزول قرآن میں تو صحیح طور پر سمجھا گیا تھا لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان اصطلاحات کے معنے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان کا مفہوم

[۱] انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں یہاں دماغوں پر سائنس، مغربی فلسفہ اور نیچر چھایا ہوا تھا تو سرسید احمد خاں نے اس کو اسلام کی خدمت سمجھا کہ قرآن کی تفسیر اور اسلام کی تشریح اس کے مطابق کی جائے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نہایت محدود بلکہ مبہم ہو کر رہ گیا ——

اس طرح مودودی صاحب نے گویا اپنے ناظرین کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ جو مفہوم و مطلب انہوں نے بیان کیا ہے وہی صحیح ہے اور تفسیر و شرح حدیث وغیرہ کی کتابوں میں اس سے مختلف جو لکھا گیا ہے وہ غلط یا ناقص یا مبہم و محدود ہے۔ کیونکہ وہ سب کتابیں بعد کی صدیوں میں لکھی گئیں ہیں جب ان اصطلاحوں کا مفہوم و مطلب صحیح نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ محدود و مبہم ہو کر رہ گیا تھا۔

اور بلاشبہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تفسیر قرآن اور شرح حدیث وغیرہ اسلامی علوم و فنون کی ساری کتابیں بعد کی انہی صدیوں میں لکھی گئی ہیں جن میں بقول مولانا مودودی الٰہ ۔ رب ۔ دین اور عبادت جیسی بنیادی اصطلاحات کا مفہوم بھی صحیح نہیں سمجھا جاتا تھا ——

ہمارے تفسیری کتب خانہ کی قدیم ترین تفسیر جو مطبوعہ اور متداول ہے وہ حافظ ابن جریر طبری کی ہے، جن کا زمانہ تیسری اور چوتھی صدی کا ہے۔ باقی ساری تفسیریں جن کو کسی درجہ میں مستند کہا جا سکتا ہے سب اس کے بعد کی صدیوں کی ہیں۔ جیسے امام محی السنۃ بغوی کی "معالم التنزیل" اور علامہ علی بن محمد بغدادی کی 'لباب التاویل'، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تفسیری رسائل (خاصکر تفسیر سورۂ اخلاص) حافظ ابن کثیرؒ دمشقی کی "تفسیر القرآن العظیم"، قرطبی، امام رازی، ابو السعود، علامہ بیضاوی اور نسفی کی تفاسیر، خطیب شربینی کی "السراج المنیر"، اور آخری دور کی تفسیروں میں 'مظہری'، "روح المعانی" اور قاضی شوکانی کی تفسیر 'فتح القدیر'۔

اسی طرح حدیث شریف کی قدیم شروح میں ابن عبدالبر اور خطابی کی شروح اور بعد کے دور میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ اور قسطلانیؒ کی صحیح بخاری کی معروف و مقبول شروح، امام نوویؒ کی شرح مسلم، علامہ طیبیؒ کی شرح مشکوٰۃ پھر دور آخر میں علامہ علی قاریؒ کی 'مرقاۃ' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی 'لمعات' یہ سب بھی بعد کی انہی صدیوں میں لکھی گئی ہیں۔

اسلامی علوم و فنون کی ساری کتابیں
بعد کی انہی صدیوں میں لکھی گئی ہیں۔

علیٰ ہذا امت کے ممتاز و محقق مصنفین مثلاً امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ——

ظاہر ہے کہ یہ سب حضرات بعد کی بہت بہت بعد کی صدیوں ہی کے ہیں ——

ان حضرات نے اپنی تصانیف میں توحید کی حقیقت پر اور اس سلسلہ میں الٰہ، الوہیت، رب، ربوبیت، عبادت اور عبودیت کے معنی مفہوم پر خاص طور سے اور بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا مفسرین قرآن اور شارحین حدیث کی طرح ان میں سے بھی کسی نے ان بنیادی اصطلاحات کی وہ تشریح نہیں کی اور توحید کی وہ حقیقت نہیں بتلائی جو مودودی صاحب نے اپنے رسالہ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں بتلائی ہے۔

بہر حال راقم سطور کا یہی خیال ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے ان بنیادی اصطلاحات کے یہ نئے سیاسی معنی اور قرآن پاک کی دعوت توحید کی یہ نئی سیاسی تشریح اس دور کی خاص سیاست زدہ فضا سے متاثر ہو کر اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو پیش نظر رکھ کر کی، اور چونکہ یہ تشریح ان سے پہلے کسی مفسر قرآن، کسی شارح حدیث اور امت کے کسی مسلّم و معتمد عالم و مصنف نے نہیں کی تھی اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر کہ —— زمانۂ نزول قرآن سے بعد کی صدیوں میں ان بنیادی اصطلاحات کا مفہوم اور دعوت توحید کا مدعا صحیح طور پر نہیں سمجھا گیا، اور جو لوگ اسلام کی سوسائٹی میں پیدا ہوئے وہ ان الفاظ کا وہ مفہوم نہیں سمجھ سکے جو زمانۂ نزول قرآن میں سمجھا جاتا تھا ——

تمام مفسرین، شارحین حدیث اور علماء و مصنفین کو (خاص کر ان اصطلاحات اربعہ اور دعوت توحید کے فہم کے بارے میں) ناقابل اعتماد قرار دے دیا اور اس طرح اپنے لئے اس کا جواز پیدا کر لیا کہ ان اصطلاحات اور قرآن کی دعوت توحید کی وہ تشریح کریں جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی ——

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں مولانا مودودی کو میں جتنا کچھ جانتا ہوں اس کی بنا پر میرا یہ گمان ہے کہ اس کے لکھتے وقت اُن کو اس کا شعور و احساس نہیں ہوا کہ میں یہ لکھ کر اہل زیغ اور ملحدین کے لئے دین میں تحریف اور فتنہ کا کیسا چوپٹ دروازہ کھول رہا ہوں۔

اگر میرا یہ حسن ظن صحیح ہے تو قدیم تعلق کی بنا پر میں مولانا سے عرض کرتا ہوں کہ وہ اس سے رجوع کا اعلان کر کے فتنہ کے اس دروازہ کو خود ہی بند کر دیں۔ واللہ الموفق

واضح رہے کہ دین کی ان بنیادی اصطلاحات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر اسی پر انہوں نے اپنی ذہانت اور قابلیت صرف کر دی جسکا نمونہ ان کی تفسیر ہے۔

اور عقیدۂ توحید کی اس نئی سیاسی تشریح سے دین میں جو گہری معنوی تحریف اور اس کی روح و حقیقت اور اس کے فلسفہ میں جو غیر معمولی تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس کا نصب العین تک بدل جاتا ہے، اس پر راقم سطور نے یہاں بالکل گفتگو نہیں کی ہے کیونکہ بعض دوسرے حضرات اس موضوع پر بقدر کفایت لکھ چکے ہیں، خاص کر مولانا وحید الدین خاں صاحب نے اپنی کتاب "دین کی سیاسی تعبیر" میں اس پر جو روشنی ڈالی ہے وہ قلب سلیم رکھنے والوں کے لئے کافی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو انشاء اللہ الفرقان میں بھی اس پر تفصیل سے لکھا جائے گا۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ٥

بقیہ: سید عطاء اللہ شاہ بخاری

جس کے قدموں کی چاپ کے منتظر رہتے تھے آج اس کی روح قریب کھڑی مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی تھی۔ امیر شریعت کے جنازے کے گرد دو لاکھ انسان کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ تاریخ حاضر اٹھا کر دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے جنازے کے بعد امیر شریعتؒ کا جنازہ تھا جس میں دو لاکھ افراد نے شرکت کی اس سے پیشتر اس قدر ہجوم کسی بزرگ درویش با خدا کے جنازے میں نہیں دیکھا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی موت کی خبر سن کر عقیدت مند مسلمانوں کے جگر کٹ گئے۔ قدم ڈگمگائے۔ چہرے بجھے بجھے سے نظر آنے لگے۔ آنکھیں خون کے آنسو بہانے لگیں۔ اللہ پاک ہمیں بھی اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے عظیم اسلاف و اکابر نے تو آگ اور خون کی وادیوں سے گزر کر پرچم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سربلند رکھا۔ اللہ پاک ہمیں بھی ان عظیم اسلاف کے نقش قدم پر چل کر مولانا مفتی محمود صاحب کی قیادت میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

بقیہ: اللہ سے محبت ....

پر ایسی ہوا چھوڑی کہ ان کے چولھے برتن اور خیمے تک اڑا دیئے اور انہیں بے بس کر دیا اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہوا اللہ کے حکم سے کسی کو فائدہ یا نقصان دیتی ہے۔ اور وہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ اس کی دنیا میں بھی مدد فرماتے ہیں اور آئندہ آنے والی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں بھی اپنے انعامات سے نوازتے ہیں۔ اللہ مجھے اور سب انسانوں کو اللہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور کھری محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنے، اطاعت کرنے اور تابع داری کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہی ہمارا سرمایۂ حیات ہے۔ آمین

اس گرانی کے دور میں سستی کتابیں حاصل کرنے کا

صرف

ایک ہی طریقہ ہے

یعنی نشر السنۃ کی رکنیت

ہم اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں عون المعبود جیسی عظیم کتاب جس کی قیمت -/۳۶۰ روپے ہے صرف -/۱۸۰ روپے میں پیش کر چکے ہیں اور اب سنن دار قطنی -/۱۵۰ روپے کی بجائے صرف -/۹۰ روپے میں پیش کر رہے ہیں۔

آج ہی نشر السنۃ کی رکنیت فیس -/۱۰۰ روپے ارسال کر کے اس خصوصی رعایت سے فائدہ حاصل کریں۔

مزید تفصیلات کیلئے رجوع کریں:

نشر السنۃ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بقیہ: اداریہ

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ علماء کا یہ گروہ حالات کی سنگینی کا احساس قطعاً نہیں کر رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا ملکی سرحدوں پر جو کچھ ہو رہا ہے یا تو یہ گروہ اس سے بالکل بے خبر ہے اور قومی و بین الاقوامی حالات کا اسے قطعاً علم نہیں یا پھر اتنا بڑا خطرہ جس کا تعلق براہ راست ملکی سالمیت اور ملت کی بقا سے ہے اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس گروہ کے نزدیک اگر کسی چیز کی اہمیت ہے تو وہ صرف اس کے ذاتی مفادات ہیں۔ ہم علماء کی اس ڈار سے دردمندانہ اپیل کریں گے کہ وہ حالات کے دھارے کو سمجھیں اور اپنی موجودہ روش پر نظر ثانی کریں۔

جلسہ سیرت النبی ﷺ

بتاریخ ۱۵ ربیع الاول، ۳ فروری ۲۸ء بروز اتوار بعد نماز عشاء بمقام جامعہ حنفیہ نیاز مسجد، چوک خواجہ اویس قرنی، نزد سردار چیل چوک، بلال گنج، لاہور میں منعقد ہو رہا ہے، جس میں مقرر شعلہ بیان جناب حضرت مولانا عبد الشکور صاحب دین پوری، صدر مجلس تحفظ حقوق اہلسنت پاکستان اور دیگر علماء کرام خطاب فرمائیں گے۔ احباب سے شرکت کی اپیل ہے۔

الداعی، شیخ عبد الستار

کلاتھ مرچنٹ، چوک براز ہٹہ، لاہور

طلباء کی سرگرمیاں

محمد ادریس

جمعیۃ طلباء اسلام کا مرکزی کنونشن ۷، ۸ مارچ کو لاہور میں ہوگا۔

حافظ اطہر عزیز صدر مجلس استقبالیہ ہوں گے۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات کے سلسلے میں جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کا مرکزی کنونشن ۷، ۸ مارچ کو لاہور میں ہوگا۔ اس بات کا اعلان گذشتہ روز جمعیۃ طلبہ اسلام کے قائم مقام مرکزی صدر میاں محمد اجمل قادری نے ایک بیان میں کیا۔ کنونشن کے انتظامات کے لئے ایک مجلس استقبالیہ بنا دی گئی جس کے صدر حافظ اطہر عزیز ناظم مالیات جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان ہوں گے۔

یہ کنونشن جمعیۃ طلباء اسلام کی تاریخ کا ایک منفرد کنونشن ہوگا جس میں ملک بھر سے طلبہ شریک ہوں گے اور پندرھویں صدی ہجری میں نوجوانوں کی فکری راہنمائی کے لئے بھرپور لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔

کنونشن کی مجلس استقبالیہ کے صدر جناب حافظ اطہر عزیز نے بتایا کہ اس کنونشن کے لئے دس ہزار طلبہ کی شرکت کے لئے انتظامات کئے جائیں گے۔ کنونشن کی تیاری ابھی سے کردی گئی ہے۔ انتظامات کے سلسلے میں کنونشن کا پہلا تعارفی اشتہار چند روز تک منظر عام پر آجائے گا جبکہ تفصیلی اشتہار بعد میں کنونشن سے پہلے شائع کیا جائے گا جو تمام شاخوں کو ارسال کردیا جائے گا۔ اس کے علاوہ شاخیں اور اضلاع اپنے طور پر ہر طرح سے کنونشن کی پبلسٹی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کنونشن میں اسلامی ممالک کے سفیر حضرات اور علماء کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی۔

آخر میں صدر مجلس استقبالیہ حافظ اطہر عزیز نے ساتھیوں سے اپیل کی کہ اگر آپ مدرسہ کے طالب علم ہیں یا کالج کے، یونیورسٹی کے طالب علم ہیں یا سکول کے، آپ کا کسی دور میں جمعیۃ سے تعلق رہا ہے تو بھی آپ جمعیۃ طلبہ اسلام کے پروگرام سے متفق ہیں تب بھی اگر آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوچکا ہے اور آپ کی ہمدردیاں جمعیۃ طلبہ اسلام کے پروگرام سے ہیں پھر بھی آپ جہاں کہیں بھی ہیں اس کنونشن کی کامیابی کے لئے ہر حال میں کوشش کریں۔

جمعیۃ طلباء اسلام پنجاب

کا اجلاس:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مجلس شوریٰ اور عمومی کا مشترکہ اجلاس جناب ظہیر میر صاحب کی صدارت میں شیرانوالہ گیٹ لاہور میں منعقد ہوا جس میں پنجاب بھر کے طلبہ نے شرکت کی اجلاس میں گذشتہ کارروائی پڑھ کر سنائی گئی۔ اس کے بعد تمام ساتھیوں نے صوبے کے اندر جمعیۃ طلبہ اسلام کو فعال اور منظم بنانے کے لئے تجاویز دیں اور مرکزی کنونشن کے انتظامات اور اس کی تیاری پر بھی غور ہوا۔ طے یہ پایا کہ صوبے بھر کا تنظیمی دورہ کیا جائے جس کا سب سے اہم پہلو مرکزی کنونشن کے بارے میں ساتھیوں کو مطلع کرنا اور انہیں کنونشن کے لئے تیار کرنا۔ صوبہ بھر کے دورے کا جو پروگرام ترتیب دیا گیا اس کے مطابق

بہاولپور ڈویژن

۷۔۸ فروری	بہاولنگر	عبدالخالق ندیم، ظفر یسین بٹ، خالد محمود دلو
۹ فروری	بہاولپور	عبدالخالق ندیم، خالد محمود دلو
۱۰ ″	رحیم یار خاں	عبدالخالق ندیم، خالد محمود دلو

ملتان ڈویژن:

۹ فروری	ملتان	ملک خلیل احمد اعوان، ظفر یسین بٹ، قاری محمد اختر
۱۰ ″	مظفر گڑھ	
۱۱ ″	ڈیرہ غازیخاں	

(ساہیوال کے لئے بعد میں اعلان کیا جائے گا)۔

سرگودھا ڈویژن:

۱۵ فروری	جھنگ	ظہیر میر، خضر حیات
۱۶ ″	فیصل آباد	
۱۷ ″	سرگودھا	
۱۸ ″	میانوالی	

لاہور ڈویژن

۱۵ فروری	سیالکوٹ	ظفر یسین بٹ، خالد محمود ٹیپو
۱۶ ″	گوجرانوالہ	
۱۷ ″	شیخوپورہ	

لاہور اور قصور کے اضلاع کے دورہ کا پروگرام بعد میں ترتیب دیا جائیگا۔

راولپنڈی ڈویژن:

۱۵ فروری	اٹک	ندیم اقبال اعوان، حافظ اطہر عزیز
۱۶ ″	راولپنڈی	
۱۷ ″	گجرات و جہلم	

اس دورہ میں ضلع بھر کے کارکنوں کے اجلاس رکھے جائیں گے۔ تنظیمی امور اور کنونشن کے بارہ میں تجاویز زیر بحث آئیں گی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ

• جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ پنجاب کے مجلس عمومی و شوریٰ کے مشترکہ اجلاس میں جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور فاتحہ خوانی کے بعد ان کے

لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

جمعیۃ طلبہ اسلام حلقہ شیرانوالہ گیٹ گوجرانوالہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے سابق صدر جناب میاں محمد عارف (ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی) نے جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

جمعیۃ طلبہ اسلام حلقہ انارکلی ضلع لاہور کے ایک اجلاس میں جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

صوبہ سندھ کی
شاخیں متوجہ ہوں۔

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کے ناظم عمومی جناب محمد الیاس تمنا یکم فروری تا ۲۳ فروری صوبہ سندھ کا تربیتی و تنظیمی دورہ کریں گے۔ اس دورے میں تمام ضلعی شاخوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ صرف اراکین جمعیۃ ہی کو مدعو کریں۔

اس کے علاوہ کارکنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی شکایات، مسائل اور مشورے تحریری طور پر ناظم عمومی کے حوالے کریں۔ اپنے ریکارڈ کو درست رکھیں۔ صوبائی ناظم عمومی کارکردگی، دستاویزات، نشرواشاعت اور مالیاتی امور اور تربیتی کام کا جائزہ لیں گے۔ تمام شاخیں اپنے ہم/ ضلع کو ادا کریں اور اضلاع فوری طور پر ہم/ صوبے کو ادا کریں۔

صوبائی ناظم عمومی جناب الیاس تمنا کے دورے کا پروگرام حسب ذیل ہے:

۱-۲ فروری	ضلع تھرپارکر
۳-۴-۵ فروری	سکھر وشکارپور
۶-۷ "	جیکب آباد
۸-۹ "	لاڑکانہ
۱۰ "	دادو
۱۱-۱۲ "	نوابشاہ
۱۳ "	سانگھڑ
۱۴-۱۵ "	حیدرآباد
۱۶ "	بدین
۱۷ "	ٹھٹھہ
۱۸ تا ۲۳ "	کراچی ڈویژن

جلسہ سیرۃ النبی

جمعیۃ طلبہ اسلام مچھی بندہ ضلع جیکب آباد میں ۱۹ ربیع الاول کو سیرۃ النبی پر جلسہ ہوگا جس میں حضرت مولانا شاہ محمد مدظلہ شرکت کریں گے۔ اس کے علاوہ مولانا دین بخش مہر، مولانا صوفی خیر محمد اور صوبائی صدر جناب نذیر احمد بھچوار خطاب کریں گے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی
اور نام نہاد صحافی:

گذشتہ دنوں جانشین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید اسعد مدنی پاکستان تشریف لائے تو جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی طرف سے لاہور ہلٹن میں ان کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا جسکی کارروائی اخبارات میں شائع ہوئی۔

ان کے چلے جانے کے بعد اخبارات میں کالم چھپے۔ جن لوگوں کو لکھنا نہیں آتا انہوں نے بھی کیچڑ اچھالا۔ الزامات لگائے اور کردار کشی کی بھرپور کوشش کی۔ محض سیاسی اختلاف کی وجہ سے نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر اس لئے کہ وہ سید حسین احمد مدنی رح کا فرزند ہے۔ شاید ان نام نہاد صحافیوں کو جب تک تحریک پاکستان کے پردے میں آزادی کے نامور مجاہدوں پر کیچڑ نہ اچھالیں ان کو صحافت کی سند نہیں ملتی۔ مولانا مدنی مدظلہ سے ان حضرات کی کیا گفتگو ہوئی ہمیں پوری طرح یاد ہے اور جو انہوں نے لکھا وہ بھی ہمارے سامنے ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مولانا اسعد مدنی جب دلائل کے انبار لگا رہے تھے تو ان کی زبانیں گنگ تھیں اور اخبارات کے کالموں میں ان کی مرعوب ذہنیت اور واضح ہوگئی ہے۔

نوٹ: مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ کو دیے گئے استقبالیہ کی مکمل رپورٹ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

صوبہ سرحد کے
ساتھی متوجہ ہوں۔

جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان ۲۱-۲۲ فروری کو پشاور پہنچیں گے جہاں وہ جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سرحد کے اعلامی عاملہ کے اراکین اور دیگر ذمہ دار حضرات سے تنظیمی امور اور کنونشن کے بارے میں کارکردگی کا جائزہ لیں گے۔ پشاور میں کارکنوں کا بھرپور اجتماع ہوگا، لہذا صوبہ سرحد کے تمام اضلاع کے صدر، ناظم عمومی اور دیگر اراکین عاملہ کو تاکید ہے کہ وہ ۲۱-۲۲ فروری کو ہر صورت پشاور پہنچیں۔ اس پروگرام سے قبل صوبائی عاملہ کے اراکین صوبہ بھر کا دورہ کریں گے جس کی تفصیل آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں۔